

فتاویٰ رضویہ

اور فتاویٰ رشیدیہ کا

تقابلی مطالعہ

مفتی محمد کرم احمد نقشبندی مجددی



ضیا اکیڈمی
کراچی

نشانِ منزل

اعلیٰ اور ادنیٰ میں سے اعلیٰ کی - عمدہ اور ردی میں سے عمدہ کی - بہتر اور کمتر میں سے بہتر کی - حق اور باطل میں حق کو - عالم اور جاہل میں سے عالم کو - متقی اور فاسق میں سے متقی کو - فقیہ اور غیر فقیہ میں سے فقیہ کو - محدث اور غیر محدث میں سے محدث کو - دوست اور دشمن میں سے دوست کی - عدل اور غیر عدل میں سے عدل کی - قد آور اور کوتاہ قد میں سے قد آور کی پہچان دونوں کے تقابلی جائزے اور مطالعے سے حاصل کی جاتی ہے جیسے اسلام کے حق ہونے اور اس کے اعلیٰ ہونے اس کے برتر ہونے اس کے عالمگیر ہونے اس کے ہر زمانہ کے لئے کافی ہونے اس کے ہر شعبہ زندگی کی کفایت کرنے اس کے من جانب اللہ ہونے کو غیر پر ثابت کرنے کے لئے اس کا دیگر ادیان سے تقابل ضروری ہوتا ہے۔ بہر حال کسی کی کسی پر فوقیت ثابت کرنے کے لئے دونوں کا باہم موازنہ لازمی ہوتا ہے چاہے اس فوقیت کو ادیان میں ثابت کرنا ہو یا مذاہب میں یا مسالک میں یا کتب میں یا شخصیات میں۔

اسی طرح فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ دونوں میں سے برتر کیا ہے اس کو پہچاننے کے لئے دونوں کا تقابلی جائزہ اور مطالعہ ضروری ہے تاکہ ان میں سے ایک کی دوسرے پر فوقیت ثابت ہو اس طرح جب ایک تصنیف یا تالیف کی فوقیت دوسری پر ثابت ہو جائے گی تو ایک مصنف یا مؤلف کی دوسرے پر فوقیت از خود ثابت ہو جائے گی کیونکہ مصنوع کا کمال صانع کا کمال مصنوع کی تعریف صانع کی تعریف قرار دی جاتی ہے لہٰذا ایک کتاب کی دوسری کتاب پر فوقیت اس کتاب کے لکھنے والے یا جمع کرنے والے کی فوقیت ہے اس لئے زیر نظر مقالہ فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی جائزہ نہیں بلکہ دو شخصیات کا باہم تقابل ہے رشید احمد گنگوہی، امام احمد رضا کے ہم عصر ہیں اور معاصر شخصیات اپنے فضل علم، حسن فکر وغیرہما جملہ فضائل و محاسن میں ایک دوسرے سے جدا مقام رکھتی ہیں لیکن بعض امور میں اتحاد بھی پایا جاتا ہے جیسے تہذیب و روایات وغیرہما اس لئے ان میں سے جب بھی کسی شخصیت کی عظمت کو پرکھنا ہو فضل علم کو جانچنا ہو، ورع و تقویٰ میں مقام کو پہچاننا ہو، حسن فکر کو دیکھنا ہو تو ان کے معاصرین کے وجود کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ امام احمد رضا اور مولوی رشید احمد گنگوہی بھی ایک دوسرے کے ہم عصر ہیں اور ان میں سے قد آور کون ہے؟ - برتر کون ہے؟ - ان میں سے کسے فوقیت دی جائے؟ - کسے افضل قرار دیا جائے؟ - اس کے لئے ان دونوں شخصیات کے تقابل کی ضرورت پیش آئی تو کسی منصف مزاج، حقیقت پسند، نے جب بھی امام احمد رضا کا کسی سے موازنہ کیا، جسے بھی آپ کے سامنے کھڑا کیا گیا، تو آپ کو ہی قد آور کہا، جس کے ساتھ بھی آپ کا تقابل کیا آپ کو ہی برتر مانا، اور آئندہ بھی اہل حقیقت و اہل انصاف کو دعوت ہے کہ وہ آپ کا جس کے ساتھ بھی موازنہ کریں چاہے جس بات میں بھی موازنہ کرنا چاہیں سیرت و کردار میں یا ورع و تقویٰ میں یا مزاج عادت میں یا محبت خدا و عشق مصطفیٰ میں یا عقیدت اہل بیت و تعظیم صحابہ میں یا ادب اولیاء و علماء میں یا علم شریعت میں یا علم طریقت میں اور علم شریعت میں علوم نقلیہ ہوں یا علوم عقلیہ آپ کا جس

کے ساتھ اور جس میں بھی تقابل کرے فوقیت امام احمد رضا کو ہی دے گا افضل انہی کو قرار دے گا بشرطیکہ وہ حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو متعصب نہ ہو کیونکہ متعصب حق و باطل میں امتیاز کرنے سے عاری حق دیکھنے سے اندھا، حق سننے سے بہرہ ہوتا ہے۔

اس لئے مقالہ نگار علامہ مفتی محمد مکرم نقشبندی نے امام احمد رضا کے علم اور احتیاط کو اہل دنیا پر آشکار کرنے کے لئے ان کے سامنے مولوی رشید احمد گنگوہی کو کھڑا کیا جن کو ان کے اپنے حلقے میں ''فقیہ النفس'' کہا جاتا اس کے لئے انہوں نے ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' جو فتاویٰ رضویہ کے نام سے معروف ہے، کا تقابل مولوی رشید احمد کے ''فتاویٰ رشیدیہ'' کے ساتھ کیا تا کہ اس تصنیف وتالیف کی فوقیت سے اس کے مصنف و مؤلف کی فوقیت ثابت ہو جائے۔ مفتی صاحب نے اس تقابل میں اگرچہ پورے فتاویٰ کا احاطہ نہیں کیا تاہم جس قدر بھی موازنہ کیا ہے اس سے یہی ظاہر ہوا کہ جملہ علوم وفنون میں سے کسی بھی علم وفن میں فتاویٰ رشیدیہ کی فتاویٰ رضویہ پر فوقیت تو دور کی بات ہے برابری کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا الٹا فتاویٰ رشیدیہ کے نقص اور اس میں موجود خرابیاں اُبھر کر سامنے آئیں اس کے مصنف کی علوم وفنون پر دسترس تو کجا واقفیت کو ثابت کرنا بھی مشکل ہو گیا اگر ہم فتویٰ نویسی میں فن رسم المفتی کو لے لیں یہ ایک مستقل فن ہے ایک مفتی کے لئے اس فن سے واقفیت ہی نہیں اس پر اچھی دسترس کا ہونا ضروری ہے۔ جب اسے اس فن پر دسترس نہ ہوگی تو خطا کرے گا خود راہ شریعت سے بھٹکے گا اور دوسرے کو بھی بہکائے گا اور فتویٰ دینے پر بڑی دلیری کا مظاہرہ کرے گا جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جسے امام دارمی نے اپنی ''سنن'' میں روایت کیا!

أجراكم على الفتيا أجراكم على النار

یعنی فتویٰ دینے میں سب سے دلیر وہ شخص ہے جو جہنم میں جانے میں سب سے دلیر ہے۔

چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی بھی فتویٰ دینے کی اسی دلیری میں زاغ معروف (یعنی کوا) کھانے والے کے بارے میں لکھ گئے کہ اس کے کھانے والے کو نہ ثواب ہوگا نہ عذاب یعنی اسے مباح قرار دے گئے۔

اور ایسے فتاویٰ ان کے بے علم ہونے کی عکاسی کرتے ہیں اور بے علم کو فتویٰ دینا منع ہے بے علم اگر فتویٰ دے گا تو گنہگار ہوگا چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے!

من افتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه (سنن أبي داود، كتاب العلم)

یعنی جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے گا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے وطفیل ادارہ ھذا اور اس کتاب کی طباعت کا اہتمام کرنے والوں پر خصوصی کرم فرمائے اور انہیں روز افزوں ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید الامین ﷺ

محمد عطاء اللہ نعیمی

رئیس دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تقدیم

[پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد]

علامہ مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہ (شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی) شیخ الاسلام حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے پوتے اور جانشین ہیں جنہوں نے ۶۵ سال مسجد جامع فتح پوری، دہلی کی مسند افتاء وارشاد کو رونق بخشی۔ علامہ موصوف مدرسہ عالیہ عربیہ، مسجد فتح پوری دہلی کے فارغ التحصیل، دہلی یونیورسٹی کے فاضل اور جامعہ ملیہ یونیورسٹی (نئی دہلی) کے استاد ہیں۔ فتویٰ نویسی کی اجازت مفتی عبد الدائم جلالی سے حاصل ہے۔ وہ کئی سال سے بحسن وخوبی فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ وہ بیک وقت امام بھی ہیں، مفتی بھی اور محقق ومرشد بھی۔ ۱۹۸۹ء میں راقم نے فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ رضویہ کے تقابلی جائزے پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کے لئے ان سے فرمائش کی پہلے تو علامہ موصوف نے تحریر فرمایا کہ وہ اس موضوع پر سات آٹھ صفحات لکھ سکیں گے مگر جب لکھنا شروع کیا تو ستر صفحات سے زیادہ لکھ دیئے فالحمد للہ علی ذالک۔ اس تحقیق سے یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آئی کہ مولوی رشید احمد گنگوہی جن کو "فقیہ النفس" کہا جاتا ہے ایک متوسط درجہ کے مفتی بھی نہ تھے اور امام احمد رضا کا مقام ان سے بہت ہی بلند تھا۔

علامہ مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہ ہمہ تن مصروف رہتے ہیں، ان کی گوناگوں دینی وعلمی مصروفیات کا فقیر کو علم ہے۔ مصروفیات کے اس اژدحام میں اتنا طویل مقالہ لکھنا بغیر توفیق الٰہی کے ممکن نہ تھا، علامہ موصوف کو اگر فرصت کے لمحات میسر آتے تو وہ اس سے زیادہ وقیع، منظم ومربوط مقالہ تحریر فرماتے۔

علامہ مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہ نے فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ رضویہ کے تقابلی جائزے کے لئے سرسری طور پر بعض مسائل سے متعلق فتاویٰ کا انتخاب فرمایا ہے اور ان کی روشنی میں دونوں حضرات کے

تفقہ اور تبحر کا تجزیہ کیا ہے مثلاً یہ مسائل:

۱) رہن سے نفع حاصل کرنا،

۲) ولایتی شکر کا استعمال،

۳) ایصال ثواب،

۴) مرنے کے بعد ارواح کا آنا،

۵) قبرستان کی خالی جگہ پر مدرسہ اور کتب خانے کی تعمیر،

۶) فیس دے کر منی آرڈر بھیجنا،

۷) نوٹ پر زکوۃ ادا کرنا،

۸) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جاننا،

۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب سے آگاہ ہونا،

۱۰) اولیاء اللہ کے مزارات سے استمداد،

۱۱) مولود شریف اور اعراس کا انعقاد وغیرہ وغیرہ،

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا کے کسی بھی ایک جامع و مفصل فتوے کا تجزیہ کیا جاتا تو مقالہ کتابی صورت اختیار کر جاتا...... مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتوے بالعموم چند سطور پر مشتمل ہوتے ہیں اسی لئے علامہ مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہ نے مولوی رشید احمد کے پورے فتوے نقل کئے ہیں اور امام احمد رضا کے فتووں سے صرف اقتباسات دینے پر اکتفا کیا ہے۔

علامہ موصوف نے فتووں پر عمومی بحث کے بعد امام احمد رضا کی شان علم دکھانے کے لئے وہ فتوے بھی نقل کئے ہیں جو بیماری کی حالت میں دونوں حضرات نے لکھے ہیں۔ اس تقابل سے امام احمد رضا کے علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ استحضار۔ اسی طرح علامہ موصوف نے عربی زبان و ادب پر امام احمد رضا کی حیرت انگیز مہارت کو دلائل و شواہد کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ یزید کے بارے میں مولوی رشید احمد گنگوہی کے حسن ظن اور موافقانہ خیالات کو پیش کر کے خود عالمانہ اور مورخانہ تعاقب کیا ہے مگر اس سلسلے میں امام احمد رضا کے افکار و خیالات نہیں پیش کئے۔ اس بحث میں یہ کمی رہ گئی۔ بہر حال اس سے خود

علامہ موصوف کی فن فتویٰ نویسی میں مہارت، حب رسول علیہ التحیۃ والتسلیم اور حب اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ محبت ایمان کی جان ہے اور اس دور کی ظلمت میں اسی محبت کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

علامہ مفتی محمد مکرم زید مجدہ نے تقابلی جائزے کے بعد مولوی رشید احمد گنگوہی اور امام احمد رضا خاں بریلوی کے فتویٰ کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے جس سے فن فتویٰ نویسی میں دونوں کے مقام و مرتبہ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے وہ خصوصیات یہ ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ کی خصوصیات

۱) استدلال اور قوت فیصلہ کی کمی
۲) لاحاصل تاویلات سے کام لینا
۳) ضروری تفصیلات کو نظر انداز کرنا۔
۴) ایک ہی سوال کے بارے میں کبھی ہاں، کبھی نہ۔
۵) فروگذاشتوں اور غیر محتاط بے اعتدالیوں کا ارتکاب۔
۶) غیر ضروری اختصار۔
۷) کتب حدیث وفقہ کے حوالوں کا فقدان
۸) مختلف فقہیہ مسائل میں علماء کے اقوال اور فقہاء کی آراء کا ذکر نہ کرنا۔
۹) مختلف فقہیہ مسائل میں مفتی بہ اور قول مرجوح کا ذکر نہ کرنا۔
۱۰) مستفتی کو حیران اور متجسس چھوڑ دینا۔
۱۱) بعض مسائل میں اپنی لاعلمی اور عاجزی کا اظہار کرنا۔
۱۲) بعض مفروضہ اور مزعومہ وجوہات کی بنا پر امور مباحہ کو ممنوع، بدعت اور بدعت ضلالت لکھنا۔
۱۳) بعض مسائل میں رائے دینے کے باوجود خود مطمئن نہ ہونا۔

علامہ مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہ نے فتاویٰ رشیدیہ کی خصوصیات پیش کرنے کے بعد فتاویٰ

رضویہ کی خصوصیات پیش کرنے سے قبل یہ وضاحت کی ہے۔

''سب خصوصیات کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے''

اس کے بعد مندرجہ ذیل خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی خصوصیات:

۱) پہلے کتاب وسنت سے استدلال پھر کتب فقہ سے۔
۲) دلائل واستشہادات کی کثرت، بعض فتاویٰ میں مصادر کی تعداد ۲۰۰ سے تجاوز کر گئی ہے۔
۳) سوال کے ہر پہلو پر تنقیح، فقہاء وعلماء کا اختلاف ہے تو قول راجح کا ذکر۔
۴) قرآنی تراجم وتفاسیر، کتب حدیث وفقہ کا بھرپور علم۔
۵) نادر ونایاب حوالوں کا ذکر۔
۶) فقہی کلیات وجزئیات کا استحضار۔
۷) بعض مسائل پر جدید وقدیم علوم کی روشنی میں بحث۔
۸) نقلی اور عقلی دلائل کی کثرت۔
۹) دیگر مذاہب کے قوانین اور جزئیات کا علم۔
۱۰) فقہائے متقدمین کا احترام اور اختلاف کی صورت میں ادب سے اعراض نہ کرنا۔
۱۱) موجودہ دور میں درپیش مسائل کا علماء متقدمین کے فتاوی کی روشنی میں حل پیش کرنا۔
۱۲) فتاویٰ اور دیگر تصانیف جو ۵۵ علوم میں ہیں مسلک احناف کے علماء کے لئے خصوصاً اور دیگر مسالک کے علماء کے لئے عموماً رہنما کا درجہ رکھتی ہیں نیز منتہی طلباء اور فضلاء کیلئے مشعل راہ ہیں۔
۱۳) فتاویٰ قرآن حکیم کی اس آیت کی حقانیت کی دلیل ہیں کہ ''اس میں ہر شے کا بیان ہے''۔
۱۴) مستفتی کی ذہنی اور علمی استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے جوابات اور دلائل دیئے جاتے ہیں کہ مستفتی کی تشنگی ختم ہوجاتی ہے اور وہ مطمئن ہوجاتا ہے بلکہ اس کے کسی اور کی طرف رجوع کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

۱۵) جواب لکھنے پر پوری قدرت ہے کسی مسئلے سے لاعلمی یا عاجزی کا اظہار نظر نہیں آتا۔

۱۶) تاریخی حقائق کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

۱۷) ہر مسئلے میں اتباع سنت سنیہ کا کمال اہتمام رکھا گیا ہے۔

۱۸) فتاویٰ کے مطالعے سے حیرت انگیز قوت مطالعہ، قوت حافظہ، قوت استنباط، استدلال اور قوت بیانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس زبان میں استفتاء پیش ہوتا اسی زبان میں اس کو جواب دیا جاتا۔ عربی فارسی ہو یا اردو، حتیٰ کہ منظوم استفتاء کے جواب میں منظوم فتویٰ دیا جاتا۔

۱۹) لاکھوں جزئیات قدیمہ وجدیدہ کے منقح مسائل کا صاف صاف حکم ملتا ہے۔

۲۰) ان کے مستفتیوں میں عوام الناس سے لے کر محدث و مفسر، فقیہ، وصوفی، جدید وقدیم علوم دینیہ و دنیاویہ کے فضلاء اور یونیورسٹی اور کالجز کے اساتذہ پائے جاتے ہیں وہ ہر ایک کے مزاج کے مطابق مسائل کی تحقیق وتدقیق پیش کرتے ہیں۔

۲۱) ہر مسئلے میں اصول تفسیر، اصول فقہ، اصول حدیث کی روشنی میں قرآن کریم، حدیث سے مستدلات کی کثرت ہے۔

۲۲) فن ہیئت، ریاضی، ہندسہ اور توقیت سے، فرائض سے متعلق مسائل کی فاضلانہ تحقیق ہے۔

۲۳) دور جدید کے نئے نئے مسائل کی تحقیق وتشریح اور ان کا شرعی حل پیش کیا گیا ہے۔

۲۴) بدعات ومنکرات کا ایمان افروز رد کیا گیا ہے۔

۲۵) امام احمد رضا کی تحریرات (عربی، فارسی، اردو) فن ادب کا ایسا شاہکار ہیں جن کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ادبی کلاسوں کے نصابوں میں شامل کیا جانا چاہئے۔

۲۶) فتاویٰ رشیدیہ میں امام احمد رضا کے کئی فتاویٰ نقل کئے گئے ہیں اس سے بھی فتاویٰ رضویہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور فقیہ تھے مولوی ابو الحسن علی ندوی نے نزہۃ الخواطر میں اختلاف مسلک کے باوجود یہ اعتراف کیا ہے کہ امام احمد رضا کو جزئیات فقہ پر جو عبور حاصل تھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ امام احمد رضا اس طبقہ علماء کی نمائندگی کرتے تھے جس

نے دور آزادی میں ملت اسلامیہ کی ساکھ کو قائم رکھا۔ ان کا تعلق سواد اعظم اہل سنت و جماعت سے تھا جس کو آج عرف عام میں بریلوی کہا جاتا ہے اور یہ نام بقول ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی علمائے اہل حدیث کا مرہون منت ہے۔ تقریباً ایک صدی قبل عالم اسلام کے وہی عقائد تھے جس کی تعلیم امام احمد رضا نے دی بعد میں مستعمرین نے اپنی اپنی سیاسی ضرورتوں کے مطابق اہل سنت ہی میں بعض افراد کو توڑ کر مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا اور یوں انتشار پھیلتا چلا گیا جو ابھی تک پھیلتا جا رہا ہے۔

اس وقت اتحاد عالم اسلامی کی ضرورت ہے جس کیلئے امام احمد رضا نے اپنے نام و ناموس کی پرواہ نہ کی۔ اتحاد عالم اسلامی مختلف فرقوں کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے سے حاصل نہ ہوگا بلکہ منتشر افکار کے اس مرکز پر جمع ہونے سے حاصل ہوگا جہاں یہ افکار دو صدی قبل جمع تھے حقیقی اتحاد کے لئے فکری اتحاد ضروری ہے اور امام احمد رضا نے اس کے لئے سعی فرمائی۔ تحقیق سے یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آئی کہ موجود دور کے تمام فرقوں کے اکابر اور اجداد کا تعلق اس سواد اعظم اہلسنت سے رہا ہے۔ جس کی امام احمد رضا نمائندگی کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اصاغر نے اکابر اور اخلاف نے اسلاف کی راہ چھوڑ کر اپنی اپنی راہیں بنالیں اور انتشار کا شکار ہو گئے۔ امام احمد رضا اللہ کی عظیم رحمت تھے۔ اس رحمت کا چرچا ہونا چاہئے اور سب فرقوں کو اپنے موجودہ افکار و عقائد کا جائزہ لے کر اپنے اکابر و اجداد کی پیروی کرنا چاہئے یہ وہی راہ ہے جس کو امام احمد رضا نے گہری سوچ اور بصیرت کے بعد ملت اسلامیہ کیلئے متعین کیا ہے اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہ کرنی چاہئے، انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں، دانا انسان تاریخ کی روشنی میں غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے، ناداں ضد پر قائم رہتا ہے اور اپنی انا کی خاطر مخلوق الٰہی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

قیادت کے لئے دانا و بینا قائد کی ضرورت ہوتی ہے بصیرت سے محروم، جذباتی قیادت ملت کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ امام احمد رضا اپنے عہد کے عظیم مدبر و مصلح تھے۔ ان کی قیادت کی آج بھی ملت اسلامیہ کو ضرورت ہے۔ ان جیسا دانا و بینا نہ ان کے دور میں تھا اور نہ اب نظر آتا ہے۔ تیس برس مسلسل مطالعہ کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اگر عالم اسلام امام احمد رضا کے افکار و عقائد کو رہنما اصول کے طور پر اپنا لے تو اتحاد عالم اسلامی کا خواب حقیقت کا روپ اختیار کر سکتا ہے۔

آخر میں علامہ مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے راقم کی فرمائش پر

جرات مندی اور بے باکی کے ساتھ ایسا فاضلانہ اور محققانہ مقالہ تحریر فرمایا، انہوں نے سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید بنا کر نہیں دکھایا بلکہ جو جیسا تھا اس کی تصویر ہمارے سامنے پیش کر دی اور صداقت شعاری و دیانت داری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کے معتقدین سے بھی امید کی جاتی ہے کہ اس مقالے کو جذبات کی رنگین عینک لگا کر نہیں پڑھیں گے بلکہ تحمل و بردباری کے ساتھ مطالعہ فرما کر حق پسندی کا ثبوت دیں گے۔

ضیاء اکیڈمی، کراچی ہم سب کے شکریہ کا مستحق ہے کہ وہ اپنی مطبوعات شائع کر کے دور جدید کے اندھیروں میں ''چراغ مصطفوی'' کی روشنیاں پھیلا رہا ہے۔ ملت اسلامیہ پر ادارے کا یہ عظیم احسان ہے جس کے لئے ہر فرد مسلم ادارے کا ممنون ہے اور یہ احسان اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ اس ادارے کی ہر طرح سے ہمت افزائی کی جائے اور دامے، درمے، سخنے، قلمے اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

مولائے کریم ہم کو صراط مستقیم پر چلائے اور صراط مستقیم ہی پر اٹھائے (آمین)

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حیات مولوی گنگوہی

قصبہ گنگوہی ضلع سہارن پور (یوپی، ہندوستان) کے محلہ سرائے میں مولوی رشید احمد گنگوہی کی ولادت ۶ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ بروز دوشنبہ ہوئی۔ مولوی صاحب کے والد صاحب مولوی ہدایت احمد مشہور عالم اور ریاضت کش صاحب دل شیخ تھے۔ سن ۱۲۵۲ھ میں جب ان کا انتقال ہوا اس وقت مولوی صاحب کی عمر تقریباً سات برس تھی[1]۔ مولوی صاحب نے علوم معقولہ میں منطق، فلسفہ، ادب، ہیئت، ریاضی اور علوم منقولہ میں تفسیر، اصول تفسیر، فقہ اور معانی وغیرہ کی اکثر کتب مولانا شیخ مملوک العلی سے پڑھیں اور صحاح ستہ قریب قریب کل حرفاً حرفاً حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں باقی کتابوں کے اساتذہ میں مفتی صدرالدین، قاضی احمدالدین پنجابی کے اسماء قابل ذکر ہیں[2]۔

مولوی گنگوہی نے دہلی میں صرف چار سال تعلیم حاصل کی اور مذکورہ اساتذہ سے بھرپور استفادہ کیا۔ وہ بچپن ہی سے تحصیل علم کے دلدادہ، ہوشیار اور ذہین تھے۔ ہمیشہ اپنے ہم جماعت طلبہ میں انہوں نے امتیازی کامیابی حاصل کی۔ علوم منقولہ و معقولہ کی تحصیل کے بعد اپنے وطن مالوف مراجعت کی۔ اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی[3]۔

مولوی گنگوہی کی پیدائش کے وقت ہندوستان میں دینی اور سماجی ماحول کی منظر کشی کرتے ہوئے صاحب تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں۔

''حب جاہ و حب مال اور طمع نفسانی و حرص حیوانی جہاں دوسرے مسلمانوں میں سرایت کیے ہوئے تھی اسی طرح بلکہ کچھ زیادہ ان اصحاب میں بھی گھسی ہوئی تھی جو پیشوا اور مقتدا سمجھے جاتے

---

[1] تذکرۃ الرشید، ص ۱۷۔

[2] عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید، ص ۳۵، مطبوعہ سہارن پور۔

[3] ایضاً، ص ۳۵۔

تھے۔ آٹھ آنے پیسوں پر جس مضمون کا چاہو ان سے وعظ کہلا لو اور پچیس ٹکوں پر جس فتویٰ اور جس مسئلہ پر چاہو وعظ کرالو اور منشاء موافق سے لکھوالو۔'' [1]

مولوی گنگوہی کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ہیں [2]۔ ان سے بیعت ہونے کے بعد مولوی صاحب کے روحانی مدارج میں بڑی زبردست ترقی ہوئی۔ حاجی صاحب کے الفاظ میں صاحب تذکرہ نے یوں لکھا ہے۔

''ایک مرتبہ کسی شخص نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں شکایت کی تھی کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب میں باوجود عالم ہونے کے خلق نہیں پایا جاتا، اعلیٰ حضرت نے یوں جواب دیا تھا کہ، میاں غنیمت سمجھو کہ مولانا آبادی میں ہیں۔ میرا رشید تو درجہ ملکوتیت پر پہنچ گیا تھا اگر حق تعالیٰ کو اصلاح خلق کا کام لینا نہ ہوتا تو آج خدا جانے کس پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھا ہوتا۔ علمی خدمت اور خداوند تعالیٰ کو ایک کام لینا منظور تھا اس لئے کمر پکڑ کر نیچے اُتارا گیا اور بستی میں رکھا گیا۔ اوکما قال [3]۔ بقول پیر صاحب کے شاید انہی مدارج عالیہ کی وجہ ہے کہ مولوی صاحب کی خانقاہ پر رہنے والوں کو اہل صفہ کہا جاتا تھا۔'' [4]

مولوی گنگوہی کا انتقال باختلاف روایت ۸/۹ جمادی الثانی بمطابق ۱۱/اگست ۱۹۰۵ء بروز جمعہ بعد اذان جمعہ تقریباً ساڑھے بارہ بجے ہوا اور کل عمر ۷۸ سال سات ماہ اور ۳ دن ہوئی [5]۔

---

[1] ایضاً ص ۱۰۔ نوٹ: ہر زمانہ میں علماء حق رہے ہیں، راقم کی نظر میں یہ عبارت بلا استثناء کے علماء حق پر بہتان ہے جو گناہ کبیرہ ہے اگر اس بیان کو کسی حد تک سچ مان بھی لیا جائے تو کیا مولوی گنگوہی کے اساتذہ و اکابر اس میں شامل نہیں ہو جاتے؟ ...... تذکرہ میں اس طرح کی عبارات بہت زیادہ ہیں۔ مکرم

[2] تذکرۃ الرشید، ص ۴۵۔

[3] ایضاً تذکرہ، ص ۷۵۔ نوٹ: حاجی صاحب کی یہ عبارت بہت سے سوال پیدا کرتی ہے ذرا ملاحظہ ہو، یہ حضرات تو آقائے دوجہاں، باعث تخلیق کائنات حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو درجہ بشریت سے اعلیٰ نہیں مانتے حاجی صاحب سے بیعت ہو کر ان کا رشید'' درجہ ملکوتیت پر پہنچ گیا تھا تو پیر صاحب کس درجہ پر فائز ہوں گے کہ انہوں نے کمر پکڑ کر نیچے اُتارا۔ راقم

[4] ایضاً تذکرہ، ج ۲، ص ۳۲۸۔ نوٹ: کیا یہ اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توہین نہیں ہے۔

[5] ایضاً تذکرہ، ج ۲، ص ۳۳۱۔

مولوی گنگوہی منصب افتاء کے جلیل القدر منصب پر بھی فائز تھے آپ کے اکثر فتاویٰ غیر مدلل اور بعض فتاویٰ بہت ہی مختصر ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ اور تذکرۃ الرشید میں شامل بعض فتاویٰ آپ کی فقہی بصیرت اور تبحر علمی کی دلیل ہیں۔

آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ رشیدیہ" کے نام سے تین جلدوں پر مشتمل ہے[1]۔ پہلی جلد درمیانی سائز کے ۱۶۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد ایک سو بہتر صفحات پر اور تیسری جلد ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے اور ان تین جلدوں میں تقریباً بارہ سو فتاویٰ ہیں۔

مسلک کے اعتبار سے وہ محمد بن عبدالوہاب نجدی، مولوی سید احمد، مولوی اسماعیل دہلوی کے پیروکار ہیں۔ ان کے معتقدات کو نہ صرف وہ درست جانتے ہیں بلکہ اپنے متبعین کو ان پر عمل کرنے کی تلقین بھی کردیتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کے بزرگوں کے معتقدات اور مسلک کو ماننے کا ان کو اقرار ہے لیکن کلیۃً ایسا نہیں ہے جہاں وہ اپنے مسلک سے ٹکراؤ دیکھتے ہیں تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ کی تینوں جلدوں میں اس طرح کے فتاویٰ دیکھے جاسکتے ہیں[2]۔ مولوی صاحب کی علمی فقہی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

امداد السلوک، براہین قاطعہ، الرای النجیح فی عدد رکعات التراویح، رسالہ وقف، رسالہ جمعۃ فی القری، زبدۃ المناسک، سبیل الرشاد، فتویٰ ظہر احتیاطی، قطوف دانیۃ، فتاویٰ میلاد وعرس، ہدایت الشیعہ، ہدایۃ المعتدی، تصفیۃ القلوب ترجمہ ضیاء القلوب، مولفہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، لطائف رشیدیہ، رد الطغیان[3]۔

---

[1] مطبع شمس المطابع مراد آباد سن ۱۳۲۳ھ۔

[2] فتاویٰ رشیدیہ، جلد اول ص ۸، ۱۸، ۲۰، ۴۵، ۵۱، ۶۴، ۷۲، ۷۳، ۸۶، ۱۱۷، ۱۲۲، جلد دوم ص ۵، ۹۸، ۱۲۵، ۱۲۶، جلد سوم، ص ۲، ۴، ۵۷، ۹۶ وغیرہ۔

[3] فتاویٰ رشیدیہ، فہرست، ص ۲۶۱، ج ۱۔

حیاتِ مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا احمد رضا خان کی ولادت ہندوستان بریلی شہر میں ۱۰ شوال المکرم سن ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ جون سن ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ جد امجد مولانا محمد رضا علی خاں نے احمد رضا نام تجویز کیا۔ اور یہی مشہور ہوا۔ تاریخی نام المختار ہے[1]۔

مولانا کے والد ماجد مولانا محمد نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) اور جد امجد مولانا محمد رضا علی خاں (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) جلیل القدر عالم اور صاحب تصانیف فاضل تھے۔ مولانا بریلوی بھی بچپن سے ہی تحصیل علوم کے دلدادہ تھے۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ استاد سے سبق پڑھتے ہی حرف بحرف اور لفظ بلفظ یاد ہو جایا کرتا تھا جس پر استاد بھی حیران رہ جاتے تھے۔

فاضل بریلوی کے اساتذہ میں سے چند قابل ذکر اساتذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱) شاہ آلِ رسول مارہروی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)
۲) مولانا محمد نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)
۳) شیخ احمد بن زین دحلان مکی (۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)
۴) شیخ عبد الرحمان سراج مکی (م ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء)
۵) شیخ حسین بن صالح (م ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء)
۶) شیخ شاہ ابو الحسین احمد النوری (م ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء)
۷) مرزا غلام قادر بیگ بریلوی
۸) مولانا عبد العلی رام پوری (م ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء)

مولانا بریلوی کا سلسلہ اسناد مندرجہ ذیل علماء اعلام سے ملتا ہے۔

۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)
۲) مولانا محمد عبد العلی لکھنوی (م ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء)

[1] ظفر الدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ۱۹۳۸ء، ج ۱، مطبوعہ کراچی۔

۴) شیخ عابد السندی المدنی[۱]۔

مولانا بریلوی سن ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔ تیرہ سے زیادہ سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل تھی جس کا ذکر خود مولانا نے الاجازۃ المکیہ میں کیا ہے[۲]۔

مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی کے منفرد المرتبت اور جلیل القدر عالم تھے۔ بیک وقت پچپن سے زائد علوم وفنون میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف ان کے علم وفضل کی شاہد ہیں۔ علوم قرآن کریم اور علوم حدیث میں مہارت تامہ کا نتیجہ تھا کہ مولانا علم فقہ و اصول فقہ میں نہایت اعلیٰ منفرد مقام پر فائز تھے۔ جس کا اعتراف علماء اعلام نے کیا ہے۔

فتویٰ نویسی:

مولانا بریلوی نے فتویٰ نویسی ۱۴ شعبان سن ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں شروع کی تھی جب آپ کی عمر صرف تیرہ برس کی تھی[۳]۔ ابتداء میں آپ والد ماجد کی نگرانی میں اس خدمت کو انجام دیتے رہے سات برس بعد ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں فتویٰ نویسی کی مستقل اجازت مل گئی[۴]۔ چون (۵۴) سال سے بھی زیادہ مدت تک آپ نے فتویٰ نویسی کی۔ ہزاروں فتاویٰ اور سینکڑوں تحقیقی رسائل علوم منقولہ ومعقولہ سے متعلق تحریر فرمائے۔ بریلی کے دارالافتاء میں بعض اوقات ایک ایک وقت میں پانچ سو فتاویٰ جمع ہوجاتے تھے۔ ہندوستان کے اطراف بنگال، پنجاب، ملی بار، برہما وارکان، چین، غزنی، امریکہ، افریقہ، حرمین شریفین، اور دیگر بلاد وامصار کے استفتاء آیا کرتے تھے جن کے محققانہ جوابات تحریر کئے جاتے تھے[۵]۔

۱۔ محمد مسعود احمد، حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ص ۹۴۔

۲۔ احمد رضا خاں، الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البہیہ، ص ۳۱۶، ۳۱۸۔

۳۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، الملفوظ، حصہ اول، مطبوعہ کراچی، ص ۱۳-۱۴۔

ظفر الدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۲۸۰، مکتوب بنام مولانا ظفر الدین بہاری۔

محمد مسعود احمد پروفیسر، حیات مولانا احمد رضا خاں، مطبوعہ سیالکوٹ، ص ۱۲۰۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ ایضاً۔ ص ۱۲۳، فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۱۴۹۔

مولانا بریلوی کے فتاویٰ کی بارہ عظیم سائز کی جلدیں ہیں۔ جو العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ کے نام سے مشہور ہیں۔

ابتداء سے بارہ سال (۱۲۸۶ھ سے ۱۲۹۷ھ) کے فتاویٰ جمع ہی نہیں کئے گئے اور بعد میں جمع کئے گئے ان میں ایک ہی طرح کے بہت سے فتاویٰ کو ایک ہی جواب لکھ کر جمع کیا گیا۔ اگر اس مدت کے سب فتاویٰ اور ہر ہر فتویٰ بالکمال الگ الگ جمع کیا جاتا تو بارہ سے بھی زیادہ فتاویٰ کی جلدیں بن جاتیں[1]۔

ملت اسلامیہ کا یہ عظیم محدث وفقیہ جس نے اپنے ناموس کو ناموس اسلام اور ناموس مصطفیٰ ﷺ پر قربان کر دیا جس کی عظمت کا عرب[2] وعجم نے اعتراف کیا، بتاریخ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء، بروز جمعۃ المبارک بوقت جمعۃ المبارک اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)[3]۔

مولانا بریلوی کو علم فقہ پر زبردست عبور تھا۔ وہ متاخرین علماء میں لاثانی مرتبہ پر فائز ہیں۔ ان کے اکثر وبیشتر فتاویٰ مدلل اور مفصل ہیں۔ بعض فتاویٰ مختصر بھی ہیں آپ نے ساری عمر دین متین اور فقہ حنفی کی خدمت کی اور کبھی کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ مختلف فیہ مسائل میں مولانا علماء فقہاء کے اقوال کا تفصیل سے ذکر کر کے قول راجح کے اثبات میں قرآن وحدیث سے دلائل پیش فرماتے ہیں۔ ہر فتویٰ میں وہ اپنی رائے کو ضرور ظاہر فرماتے ہیں یہ ان کے فقہی تبحر کا کمال ہے۔ اتباع سنت ان کا مسلک اور عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مشرب تھا۔ ہزارہا فتاویٰ اور سینکڑوں فقہی وعلمی تصانیف ان کے نادر فضل وکمال پر شاہد ہیں۔ آپ کی عمر صرف ارسٹھ ۶۸ برس ہوئی۔ اس مختصر عمر میں اتنی عظیم دینی خدمت کی مثال کم ملے گی۔ آپ کے فتاویٰ عربی، اردو، فارسی میں نثر اور نظم[4] دونوں میں ملتے ہیں جو فقہ کے

[1] احمد رضا خاں، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ج ۳، ص ۲۳، (مفہوم) محمد مسعود احمد، حیات مولانا احمد رضا خاں، ص ۱۲۷۔

[2] محمد مسعود احمد، فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں، لاہور ۱۹۷۸ء، الدولۃ المکیۃ وحسام الحرمین۔

[3] محمد مسعود احمد، حیات مولانا احمد رضا خاں، مطبوعہ سیالکوٹ، ص ۲۱۰۔ عبد الحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۳۹-۴۱۔ ہفت روزہ شہاب، لاہور ۲۵ نومبر ۱۹۶۲ء۔ معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۶۲ء۔

[4] فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۱۵۴-۱۵۵۔ ج ۲، ص ۱۹۵۔

ساتھ ساتھ ادب کا ایک بیش قیمت حصہ ہیں۔

مولانا کے فقہی آثار، تالیفات وتصنیفات اور رسائل کی تعداد بہت زیادہ ہے سب کا بالاستیعاب یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے چند اہم عربی تالیف یہ ہیں۔

۱) جد الممتار علی رد المحتار (پانچ جلدیں)

۲) کفل الفقیہ الفاہم فی أحکام قرطاس الدراہم

۳) حاشیہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت

۴) حاشیہ الحموی شرح الاشباہ والنظائر

۵) حاشیہ میزان الشریعۃ الکبریٰ

۶) حاشیہ کتاب الخراج

۷) حاشیہ معین الاحکام

۸) حاشیہ الہدایہ

۹) حاشیہ فتح القدیر

۱۰) حاشیہ البدائع والصنائع

۱۱) حاشیہ الجوہرۃ النیرۃ

۱۲) حاشیہ مراقی الفلاح

۱۳) حاشیہ البحر الرائق

۱۴) حاشیہ الطحطاوی

۱۵) حاشیہ الفتاویٰ العالمگیریہ

۱۶) حاشیہ رسائل الشامی

۱۷) حاشیہ الفتاوی السراجیہ[۱]

---

۱ مقدمہ بر کتاب کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، مطبوعہ، منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ، لوہاری گیٹ، لاہور۔

نوٹ: اس مقدمہ میں مولانا بریلوی کی فقہی، عربی، اردو تصانیف وحواشی کی فہرست باون کتابوں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تقابلی مطالعہ:

فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کے بالاستیعاب مطالعہ کے لئے کئی مبسوط مجلدات بھی ناکافی ہیں۔ اس مقالہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے پھر بھی ہم نے دونوں مفتیان کرام کے فتاویٰ سے کچھ فتاویٰ کا انتخاب کیا ہے جس سے دونوں عالموں کا علمی اور فقہی مقام واضح ہو سکتا ہے۔

فتویٰ متفق علیہ ہے اور انداز استدلال مختلف ہے مثال کے طور پر وہ فتویٰ ملاحظہ کیجئے جس میں دونوں مفتیوں نے ایک ہی فتویٰ عدم جواز پر دیا ہے لیکن انداز استدلال مختلف ہے اگر کوئی شخص کسی جگہ یا چیز کو رہن رکھتا ہے تو اس سے انتفاع کا کیا حکم ہے؟

سوال: مکان رہن لے کر اس میں رہنا یا کرایہ پہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مکان رہن میں رہنا حرام ہے فقط[1]

ایک اور جواب اسی باب میں ملاحظہ ہو سوال کا ذکر نہیں کیا جا رہا تاکہ مضمون طویل نہ ہو۔

الجواب: انتفاع رہن سے حرام مثل ر... ہے کسی فقیہ نے یہ نہیں لکھا کہ سکونت حلال ہے بلکہ قبضہ کیا ہے قبضہ کو سکونت لازم نہیں اور اگر یہ سب صورت ناجائز اور حرام ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی[2]۔ اس فتاویٰ رشیدیہ میں اس سے ملتے جلتے سوالات وجوابات اور بھی ہیں۔

مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جیسے سوال کے جواب میں یہ انداز اختیار کیا ہے

مسئلہ: ۲۲ صفر ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں وہ شے مرہونہ کو اپنے استعمال میں لانا یا اس میں سکونت کرنا کسی طور سے جائز ہے یا نہیں ہے بینوا و توجروا۔

(بقیہ حاشیہ) پر مشتمل ہے اور یہ سب حواشی اور تالیفات تجمیع ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ہیں دیگر علوم کی تالیفات و حواشی اس سے الگ ہیں مجموعی طور پر ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔

[1] فتاویٰ رشیدیہ، ص ۹۱، ج ۱۔

[2] فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۰۶، ج ۲۔

الجواب: کسی طرح جائز نہیں، حدیث میں ہے کل قرض جر منفعۃ فہو ربو یعنی قرض کے ذریعے جو منفعت حاصل کی جائے وہ سود ہے۔ أخرجه الحارث عن سيدنا على كرم الله تعالىٰ وجهه عن النبى صلى الله عليه وسلم، علامه طحطاوی۔ پھر علامہ شامی خود شرح درمختار میں فرماتے ہیں،

الغالب من احوال الناس انهم يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لأن المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع انتهى اقول ولا شك ان هذا لعينه حال اهل الزمان يعرفه منهم كل من اختبر ومعلوم ان احكام الفقه انما تبنى على الكثير الشائع ولا تذكر حال شدت وندرت فيه الجواز كما نص عليه المحقق حيث اطلق فى "فتح القدير" وغيره من العلماء الكرام فالحكم فى زماننا هو اطلاق المنع مرتاب فيه من له المام بالعلم والكلام هنا وان كان طويلا محملة القول ما ذكرنا والله تعالى اعلم[1]

فتاوی رشیدیہ میں اس باب میں کوئی بھی اتنا جامع اور مدلل فتویٰ نظر سے نہیں گزرا۔

فتاوی رضویہ جلد یازدہم میں کتاب الرہن میں اس باب کے مختلف پہلوؤں سے تحقیقی فتاوی موجود ہیں جن کو پڑھنے کے بعد پھر کسی دوسری فقہی کتاب کے مطالعہ کی حاجت ہی نہیں رہتی یہ قارئین خود ہی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ دونوں عالموں میں کس کا انداز زیادہ فقیہانہ اور فاضلانہ ہے۔[2]

کسی بھی متفقہ مسئلہ میں فتاوی رضویہ اور فتاوی رشیدیہ میں تحقیق و تنقیح کا آپ یہی انداز پائیں گے۔ مولوی گنگوہی کے ہاں ہر فتویٰ میں کتب فقہ کے ماخذ کا ذکر یا تو بالکل نہیں ہے یا بہت ہی کم ہے۔ فتاوی میں استدلالات واستشہادات کی کثرت ہوتی ہے۔

مولوی رشید احمد گنگوہی کے پاس مستفتی نے ایک سوال بھیجا کہ شکر، ولایتی قند کے بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے تو انہوں نے بہت مختصر جواب دیا۔ اسی مسئلہ میں فتاوی رشیدیہ میں ایسے ہی جوابات

۱۔ فتاوی رضویہ، ج ۱۱، کتاب الرہن، ص ۲۸۔

۲۔ فتاوی رضویہ، یازدہم، کتاب المداینات اور کتاب الرہن۔

ایک دو مقامات پر اور بھی نظر سے گزرے ہیں لیکن اسی مسئلہ پر جب کسی نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں استفتاء پیش کیا تو انہوں نے نہایت جامع اور مدلل جواب عنایت فرمایا جس سے نہ صرف شرعی حلت وحرمت معلوم ہوگئی بلکہ ایسے فقہی کلیات وجزئیات بھی معلوم ہوگئے جن کی بناء پر اس طرح کے سوالات کے جواب معلوم ہوسکے مثلاً

سوال: ولایتی قند اور مٹھائی تر یا خشک کھانی درست ہے یا نہیں۔

الجواب: جس چیز کی نجاست یا حرمت تحقیق ہو یا غالب گمان ہو وہ نہ کھاوے اور جس کا حال معلوم نہ ہو اس کا کھالینا درست ہے فقط[1]

اب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ دیکھئے۔

از نواب گنج بارہ بنکی مرسلہ شیخ عبد الجلیل پنجابی، ماہ ذی القعدہ، سن ۱۳۰۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں روم کی شکر ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک حلال جانور کی ہوں یا مردار کی اور سنا گیا ہے کہ اس میں شراب بھی پڑتی ہے اس طرح کل کی برف اور کل وہ چیزیں جن میں شراب کا لگاؤ ہو جاتا ہے شرعاً کیا حکم رکھتی ہے بینوا توجروا۔

الجواب: فتویٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم سمع المولیٰ وشکر لمن حمد العلی الاکبر شکرک ربنا الذواحلی ،الخ امابعد، اس مسئلہ سے سوال متکرر آیا اور آرائے عصر کو مضطرب پایا اور حاجت ناس اس طرف ماس اور دفع ہو جس نہایت ضرور اور کشف وساوس اہم امور لہٰذا من سب کہ بحول الواہب اس تازہ فرع کی تحقیق وتنقیح اور حکم شرع کی توضیح اور تصریح اس نہج نجیح وطرز رجیح کے ساتھ عمل میں آئے کہ صرف اسی مسئلہ تازہ بلکہ اس قسم کی تمام جزئیات بے اندازہ کا حکم واضح وآشکار ہو جائے احقر الفقراء عبد المصطفیٰ احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی عاملہ المولی القوی بلطفہ الخفی وغفرلہ وللمؤمنین واحسن الیہ والیہم اجمعین اس بارے میں یہ مختصر فتویٰ

---

[1] فتاوی رشیدیہ ص ۱۳۶، ج ۳۔

لکھا اور "الاحلی من السکر لطلبتہ سکر روسر" اس کا تاریخی نام رکھتا ہے الخ۔

شروع میں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دس مقدمات قائم فرمائے ہیں جنہیں تفصیل کے ساتھ حلت وحرمت وطہارت ونجاست کے کلیات وجزئیات کا ذکر فرمایا ہے یہ مقدمات فتاویٰ رضویہ جلد دوئم کے صفحہ ۹۶ سے ۱۳۰ پر ختم ہوتے ہیں پھر اپنے فقہی ضابطہ کلیہ وضع فرما کر جواب شروع فرمایا ہے اور ص ۱۴۲ پر تحریر فرمایا ہے۔

"فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے آج تک اس شکر کی صورت دیکھی نہ کبھی اپنے یہاں منگائی نہ آئندہ منگائے جانے کا قصد، مگر بایں ہمہ ہرگز مخالفت نہیں مانتا نہ جو مسلمان استعمال کریں انہیں آثم الخ"

آگے تحریر فرماتے ہیں،

"فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے ان مقدمات عشرہ میں جو مسائل و دلائل تقریر کیے جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان پاؤ، رنگت کی پڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابون، مٹھائیوں وغیرہ کا حکم خود جان سکتا ہے۔"

آگے نصیحت فرماتے ہوئے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

"غرض ہر جگہ کیفیت خبر وحالت مخبر وحاصل واقعہ وطریقہ مداخلت حرام ونجس وتفرقہ ظن ویقین و مدارج ظنون وملاحظہ ضابطہ کلیہ مسالک ورع و مدارات خلق وغیرہا امور مذکورہ کی تنقیح و مراعات کرلیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریر سابقہ سے واضح نہ ہو جائے واللہ سبحانہ الموفق والمعین الخ"۔

اگر اس پورے فتویٰ کو ہی فتاویٰ رشیدیہ کے تمام فتاویٰ کے سامنے رکھ کر موازنہ کیا جائے تو دلائل واسلوب، زبان وبیان کے لحاظ سے یہی ایک فتویٰ اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ووافی ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کے مقابلہ میں مولوی احمد رضا خاں بریلوی کا تفقہ اعلیٰ واکمل ہے قابل ستائش بات یہ ہے کہ اور فتاویٰ کی طرح فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتویٰ کو بھی صرف تین روز کی مختصر مدت میں مکمل کیا ہے دوسرے علماء کے ہاں اس طرح کی تحقیق نہیں ملتی۔

فتاویٰ میں طرز اختلاف:

استفتاء

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک اجنبی شخص کے مکان پر رہتا تھا عمرو نے وارثان ہندہ کو بہکا کر اور دھوکہ دے کر زید کا نسب سید بتلایا اور نکاح کرادیا بعد چند مدت کے معلوم ہوا کہ زید سید نہیں ہے بلکہ نورباف ہے اب وارثان ہندہ کو شرم وحیا معلوم ہوتی ہے کہ بہت اہانت ہے کیونکہ سید اور نورباف کا نکاح ہونا بہت عار کی بات ہے لہٰذا شرع شریف کے مطابق وارثان ہندہ کو فسخ کرنا فی زمانہ جائز ہے یا نہیں وگر زید بعد ظاہر ہونے کفو کے وہاں سے چلا گیا وقت رخصت زوجہ سے کہا میں اس گھر میں دنیز قریہ میں تاحیات نہیں آؤں گا اور قسم بھی کھائی اور بعد کو ایک خط بھی اسی مضمون سے لکھا اب اس کا کیا حکم ہے بینوا بالدلیل وتوجروا بالاجر الجلیل

اس استفتاء پر مولوی عبدالرحمان برسانی نے جواب لکھا تھا کہ فسخ نکاح کا اختیار ہے۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا،

''صورت مستفسرہ میں دوسرے سے خود ہی نہ ہوا، سائل مظہر کہ ہندہ بالغہ ہے اور روایت مفتی بہا پر ولی والی عورت کے لئے کفائت شرط نکاح ہے یا ولی اقرب پیش از عقد عدم کفائت پر اپنی رضا ظاہر کردے بعد عقد راضی ہونا بھی نفع نہیں دیتا فی رد المحتار یعنی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی وفی رد المحتار ھذا اذا کان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ بحر یہاں جب کہ وہ کفو نہیں اور ولی کو دھوکہ دیا گیا دونوں اس امر سے کچھ متحقق نہیں ہوا تو نکاح باطل محض رہا بعد ظہور حال زید کے قسم وتحریر سب مہمل ہے جس پر ہندہ کے لئے کوئی مرتب نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

اس جواب کے بعد مولوی رشید احمد گنگوہی کے پاس یہ استفتاء پیش ہوا۔ اس باب میں مرتب

فتاوی رشیدیہ نے یہ عبارت لکھی ہے۔

فتنازعوا بینهم فرجعوا الی علماءنا خصوصا الی شیخنا الاجل امام الفقهاء فی عصره المولانا رشید احمد سلمه الله تعالی فاجاب باحسن التفصیل وهو هذا فاجاب باحسن التفصیل (خاص طور پر قابل غور ہے اب وہ تفصیل ملاحظہ ہو۔)

صورت مندرجہ مسئلہ ہذا میں اولیاء کو حق فسخ نکاح ہے اور وہ کسی حاکم یا قاضی مسلمان سے رجوع کریں کہ وہ فسخ کرے مگر حنفیہ کے نزدیک بغیر تحکیم طرفین اختیار فسخ نہیں ہے واللہ تعالی اعلم

کتبہ الاحقر بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۱۳۰۱ھ[1]

اس جواب میں مولوی گنگوہی نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے جواب سے اختلاف کیا ہے لیکن یہ اختلاف بہت انوکھے انداز کا ہے فاضل بریلوی نے جو دلائل تحریر فرمائے ہیں نہ ان کا جواب ہے نہ رد ہے اور نہ اپنے مستدلات کا ذکر ہے۔

بہت سے فتاوی، فتاوی رضویہ وغیرہ میں ایسے ہیں جن سے مولوی گنگوہی کی رائے سے فاضل بریلوی نے اختلاف کیا ہے۔ وہ اختلاف مدلل ہوتا ہے فاضل بریلوی اپنی رائے کے استشہاد میں بالتفصیل عقلی ونقلی دلائل کا ذکر فرما کر مستفتی کی علمی تشنگی کو سیراب فرماتے ہیں، مثال کے طور پر مولوی گنگوہی سے سائل نے سوال کیا،

(۲) مسئلہ: مذہب حنفیہ میں عصر کے وقت کے بارے میں ایک مثل کو زیادہ قوت ہے یا دو مثل کو مفتی بہ اور راجح قول کون سا ہے کسی مسجد میں قبل از دو مثل عصر کی جماعت ہو رہی ہو تو نماز ان کے ساتھ ادا کرے یا نہیں اور اگر مل گیا تو عصر کے فرض ہوئے ساقط یا نفلیں اور بعد دو مثل اپنی عصر کی نماز ادا کرے اور وہ لوگ جو قبل از دو مثل ادا کرتے ہیں آثم ہوں گے یا نہیں۔

الجواب:

بندہ کے نزدیک ایک مثل کو زیادہ قوت ہے لہذا ایک مثل میں کسی نے نماز پڑھ لی فرض عصر اس کے ذمہ سے ساقط ہوئے اور اعادہ جائز نہ ہوگا کہ نفل بعد صلوۃ عصر منع ہیں اگرچہ بعد

---

[1] فتاوی رشیدیہ، ج ۲، ص ۱۳۷۔

مثلین کے نماز پڑھنا احوط ہے للخروج عن الخلاف فقط [1]

ایک اور سائل نے مولوی رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں ایک مبسوط استفتاء پیش کیا اور اس میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ دونوں مثلین کے بعد عصر کے وقت کے قائل ہیں سائل نے لکھا

''اب گذارش ہے کہ مذہب ایک مثل ظہر میں اور بعد مثل عصر میں مفتی بہ اور محقق و معمول بہ از روئے روایات صحیحہ حسب ارشادات اکابرین محققین رحمہما اللہ تعالیٰ آپ کے ہے یا نہیں۔

الجواب: وقت ظہر میں ایسا کرنا احتیاط ہے کہ ظہر بعد مثل کے نہ پڑھیں اور عصر قبل مثلین کے پڑھیں اور ایک روایت سے امام صاحب کے بھی یہ ثابت ہوتا ہے اور با ایں ہمہ مذہب مثلین پر اعتراض نہیں ہوسکتا اور اس عبارت بستان المحدثین (حضرت شاہ عبد العزیز اور تفسیر مظہری سے قطعیہ اور نفی صراحۃ مثلین معلوم ہوتی ہے لہٰذا مذہب مثلین مرجوح ہے اور ایک مثل قوی اور معمول بہ اکثر فقہا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ [2]

ایک اور موقعہ پر مولوی گنگوہی لکھتے ہیں۔

''برادر اعزہ مولوی محمد صدیق صاحب مد فیوضہم السلام علیکم وقت مثل بندہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے روایات حدیث سے ثبوت کا مثل ہوتا ہے دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں بناء علیہ ایک مثل پر عصر ہو جاتی ہے گو احتیاط دوسری روایت میں ہے فقط والسلام ۲۴ ربیع الاول سن ۱۳۰۱ھ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ [3]

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی رشید احمد گنگوہی کی اس رائے سے کلی طور پر اختلاف کیا ہے اس اختلاف کو مدلل طور پر معتبر احادیث شریفہ اور آئمہ وفقہاء کرام کے اقوال وآراء سے ثابت کیا ہے اگر ان فتاویٰ کو ہم تفصیل سے لکھیں تو یہ مقالہ بہت طویل ہو جائے گا اس لئے بغرض اختصار ایک

---

[1] فتاوی رشیدیہ، ج ۲ ص ۹۵

[2] فتاوی رشیدیہ ص ۹۴، ج ۳۔

[3] فتاوی رشیدیہ، ج ۳ ص ۹۴۔

جواب کا ملخص پیش کیا جاتا ہے۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا،

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک جب تک سایہ ظل اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہو جائے وقت عصر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آجاتا ہے اگر چہ بعض کتب فتاوی وغیرہ تصانیف بعض متاخرین مثل برہان طرابلسی وفیضی کرکی اور در مختار میں قول صاحبین کو مرجح بتایا مگر قول امام ہی احوط واضح واز روئے دلیل راجح ہے عموما متون مذہب قول امام پر جزم کیے ہیں اور عامہ اجلہ شارحین نے اسے مرضی ومختار رکھا اور اکابر آئمہ ترجیح وافتاء بلکہ جمہور پیشوایان مذہب نے اسی کی تصحیح کی۔ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع اور امام سرخسی نے محیط میں فرمایا ھو الصحیح یہی صحیح ہے الخ[1]۔

اسی فتوی میں بالتفصیل معتبر ومتداول فقہ کتب سے دلائل لکھنے کے بعد آپ لکھتے ہیں۔

''پس محتاط فی الدین کو لازم کہ اگر جانے کہ مثل ثانی بعد جماعت مل سکتی ہے اگر چہ ایک ہی آدمی کے ساتھ تو اس جماعت باطلہ یا کم از کم مکروہہ بکراہت شدیدہ میں شریک نہ ہو بلکہ وقت اجماعی پر اپنی جماعت صحیح نظیفہ ادا کرے اور اگر جانے کہ پھر میرے ساتھ کوئی نہ ملے گا تو بہ تقلید صاحبین شریک جماعت ہو جائے اور تحصیل صحت متفق علیہا ورفع کراہت کے لیے مثل ثانی کے بعد پھر اپنی تنہا ادا کرے واللہ تعالی اعلم بالصواب[2]

اموات کو ایصال ثواب:

ایصال ثواب کے بارے میں اب تک تو ہم کو اور سب مومنین کو یہی معلوم تھا کہ اللہ تعالی کی ذات بے پناہ رحم وکرم والی ہے اس کے خزانہ کی کوئی حد نہیں ہے اگر کوئی سورۃ قل ہو اللہ شریف پڑھ کر سارے مومنین ومومنات کو بخش دیتا ہے تو سب کو پورا پورا ثواب ملتا ہے یہ اللہ تعالی کی شان کریمی کے منافی ہے کہ وہ ہر ایک کو ثواب تقسیم کر کے پہنچائے اگر وہ ایسا فرماتا تو پھر ایصال ثواب کرنے والے کے

[1] فتاوی رضویہ، ص ۲۵۶، ج ۲۔

[2] فتاوی رضویہ، ص ۲۵۸، ج ۲۔

پاس کچھ بھی نہ پہنچتا اور ہر مومن و مومنہ کو بہت قلیل ثواب پہنچتا عقل بھی اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ اللہ تعالی کے ہاں دنیاوی میمنوں کی طرح حساب تقسیم کیا جاتا ہو لیکن فتاوی رشیدیہ سے دو فتاوی ملاحظہ فرمائیں۔

سوال ۲۷: ایک شخص تین بار قل شریف پڑھ کر اپنے والدین کو بخش دیتا ہے زید نے یہ بات سن کر اس شخص سے کہا کہ تم تین مرتبہ قل پڑھ کر تمام زمانہ کے مسلمانوں کی ارواح کو بخش دیا کرو ہر ہر فرد بشر کو ایک ایک ختم قرآن کا ثواب ملے گا اور تمہارے والدین کے ثواب میں کوئی کمی نہ آئے گی اب وہ شخص یہ پوچھتا ہے کہ سب دنیا کے مسلمانوں کو معہ میرے والدین کے اگر ایک ایک ختم قرآن کو ثواب ملے اور میرے والدین کے ثواب میں کمی نہ ہو تو سب مسلمانوں کی میں نیت کر لوں گا ورنہ مجھ کو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ میں اپنے والدین کا ثواب کاٹ کر اوروں کو دوں اس میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: میرے استادوں کا یہ قول ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ثواب تقسیم ہو کر پہنچتا ہے نہ سب کو پورا پورا اور اس باب میں کوئی روایت حدیث کی نہیں فقط واللہ تعالی اعلم[1]

سوال: ایصال ثواب میں نیت سب اموات کی کرے تو سب کو برابر پہنچے گا یا تقسیم ہو کر پہنچے گا؟

الجواب: یہ ثواب سب پر تقسیم حصہ رسد ہوگا جیسا ظاہر ہے اور سب کو ہر ہر واحد کو پورا پورا ثواب جیسا مشہور ہے کوئی روایت صحیح بندہ کو معلوم نہیں واللہ تعالی اعلم[2] رشید احمد عفی عنہ

اسی مسئلہ پر حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اور فضلاء شریعت امین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے ایک کلام مجید تلاوت کر کے ختم کیا اور اس کا ثواب پندرہ شخصوں کی ارواح کو اللہ بخشا ان روحوں میں تقسیم ہو جائے گا یعنی فی روح دو پارے پہنچیں گے یا فی روح کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا اور نتیجہ اس کا دینا میں ملے گا یا عقبی میں دوسرے یہ کہ ثواب کس طرح کہہ کر پہنچائے۔

---

[1] فتاوی رشیدیہ ج ا ص ۶۲۔

[2] فتاوی رشیدیہ ج ا ص ۱۲۸۔

الجواب: اللہ عزوجل کے فضل سے امید ہے کہ ہر شخص کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا ردالمحتار میں ہے سئل ابن حجر المکی عما لوقرء لا ھل المقبرة الفاتحة ھل تقسیم الثواب بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذلك کاملا اجاب بانه جمع باالثانی وھو اللائق بسعة الفضل اس مسئلہ کی پوری تحقیق فتاوی فقیر میں ہے نتیجہ ملنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اختیار میں ہے مسلمانوں کو نفع رسانی سے اللہ عزوجل کی رضا اور رحمت ملتی ہے اور اس کی رحمت دونوں جہاں کا کام بنا دیتی ہے آدمی کو اللہ تعالیٰ کے کام میں اللہ کی نیت چاہئے دنیا اس سے مقصود رکھنا حماقت ہے دعا کرے کہ الٰہی جو میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا فلاں فلاں اشخاص کو پہنچا اور افضل یہ ہے کہ تمام مسلمین اور مسلمات کو پہنچائے مسلک متقسط میں ہے۔

یقر أما تیسر له من الفاتحة والاخلاص سبعا او ثلاثا ثم یقول اللھم أوصل ثواب ما قرأناه الی فلان او الیھم

سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص میں سے جو سہولت ہو سات مرتبہ یا تین مرتبہ پڑھ کر یہ دعا کرے کہ اے میرے اللہ! جو ہم نے پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں شخص یا ان سب کو پہنچا۔

محیط وتاتارخانیہ وشامی میں ہے

الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجره شئ[1]

نفلی ثواب صدقہ کرنے والے کے لئے افضل ہے کہ سب مؤمنین ومؤمنات کے ایصال ثواب کی نیت کرے اس لئے کہ بیشک ثواب سب کو پہنچے گا اور اس کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں آئے گی۔

فاضل بریلوی نے اس مختصر سے جواب میں سارے مسائل حل فرمادیے اور فقہاء کرام کی آراء بھی پیش فرمادیں جیسا کہ فتوی میں مذکور ہے کہ اعلیٰ حضرت کے دیگر فتاوی ورسائل میں اس کی تحقیق

[1] فتاوی رضویہ، ج ۴، ص ۲۰۶۔

وتفصیل دی جا چکی ہے۔

اس سلسلے میں اگر مندرجہ ذیل حدیث شریف کو بھی مستدل بنایا جائے تو درست ہے۔

عن جریر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شیء ومن سن فی الاسلام سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من أوزادهم شیء (مسلم شریف، مشکوٰۃ)

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اسلام میں کسی اچھے طریقہ کو رائج کرے گا تو اس کو اپنے رائج کرنے کا بھی ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا بھی جو اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور جو دین اسلام میں کسی برے طریقہ کو رائج کرے گا تو اس شخص پر اس کے رائج کرنے کا بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا بھی گناہ ہوگا اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

اسی طرح کی اور بہت سی احادیث شریفہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین کے ہاں ثواب تقسیم ہو کر نہیں پہنچتا، تقسیم تو وہ کرتا ہے جس کا خزانہ محدود ہو اور اس میں اضافہ سے وہ عاجز ہو تو اللہ تعالیٰ کا خزانہ محدود ہے اور نہ ہی وہ عاجز ہے تو پھر تقسیم ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

مردوں کی روحوں کا آنا

دنیا سے انتقال کر جانے کے بعد مردوں کی روحیں دنیا میں آتی ہیں یا نہیں، اگر آتی ہیں تو کس کس دن اس کے بارے میں مولوی رشید احمد گنگوہی کے پاس مستفتی نے مندرجہ ذیل استفتاء بھیجا۔

سوال: شب جمعہ میں مردوں کی روحیں اپنے گھر آتی ہیں یا نہیں جیسا کہ بعض کتب میں لکھا ہے۔

الجواب: مردوں کی روحیں شب جمعہ میں اپنے اپنے گھر نہیں آتیں روایت غلط ہے فقط[1]

---

[1] فتاوی رشیدیہ، ج ۲، ص ۱۰۹۔

سوال: ارواح مؤمنین ہر جمعہ کی شب کو اپنے اہل وعیال میں آتی ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں اس طرح کا عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: ارواح مؤمنین کا شب جمعہ اپنے گھر وغیرہ کو آنا کہیں ثابت نہیں ہوا یہ روایات واہیہ ہیں ان پر عقیدہ رکھنا ہرگز نہیں چاہئے فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی برب رشید احمد گنگوہی[1]

ذرا زور کلام ملاحظہ فرمایئے اور پھر حضرت فاضل بریلوی کی تصنیف اتیان الارواح لدیار ہم بعد الرواح (۱۳۲۱ھ) ملاحظہ فرمایئے جس میں آپ نے بڑی تحقیق وتدقیق کے بعد فیصلہ صادر فرمایا ہے مؤمنین کی ارواح کن ایام میں اپنے گھروں میں آتی ہیں صالحین کی روحوں کا کیا حال ہے اور کفار کی روحیں کہاں مقید ہیں اس کے بارے میں قول فیصل بتایا ہے حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام مسائل کو منقول ومعقول دلائل سے ثابت کیا ہے تفصیل یہ ہے

مسئلہ ۱۲ شعبان المعظم سن ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ جس وقت انسان کی روح اپنے جسم سے پرواز کر جاتی ہے بعد اس کے پھر بھی کبھی اپنے مکان پر آتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے کچھ ثواب کو خواستگار خواہ قرآن مجید یا خیرات طعام وغیرہ ہو یا روپیہ پیسہ ہوتی ہے یا نہیں اور اگر روح اپنے مکان پر آتی ہے تو کس کس دن آیا کرتی ہے اور اس سے منکر (یعنی روحوں کے آنے سے انکار کرنے والا) گنہگار ہے یا نہیں اور اگر گنہگار ہے تو کس گناہ میں شامل ہے بینوا توجروا

فاضل بریلوی نے اس استفتاء پر مفصل اور بہت مدلل جواب تحریر فرمایا ہے جس کا بعینہ نقل کرنا تفصیل کا باعث ہوگا کچھ اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

"الجواب: خاتمۃ المحدثین شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں مستحب است کہ تصدیق الخ

میت کے دنیا سے رخصت ہونے کے سات روز بعد تک اس کی جانب سے صدقہ کرنا مستحب ہے میت کی طرف سے صدقہ کرنا باتفاق اہل علم نفع بخش ہے اس سلسلہ میں احادیث صحیح وارد

---

1. فتاوی رشیدیہ، ج ۳، ص ۸۔

ہیں خصوصاً پانی اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ میت کو صدقہ اور دعا کے سوا کچھ نہیں پہنچتا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح اپنے گھر میں جمعہ کی رات کو آ کر دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا گیا ہے یا نہیں واللہ تعالیٰ اعلم''

مسلسل دلائل کے بعد تحریر فرماتے ہیں،

''خزانۃ الروایات'' میں ہے، عن بعض العلماء المحققين ان الارواح يتخلص ليلة الجمعة وتنتشر فجاء و الى مقابرهم ثم جاءوا فى بيوتهم۔

بعض علمائے محققین سے روایت ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی ہیں اور پھیلتی پھرتی ہیں پہلے وہ اپنی قبروں پر آتی ہیں اور پھر اپنے گھروں میں آتی ہیں۔

دستور القضاۃ مستند صاحب مأتہ مسائل میں فتاویٰ امام نسفی سے ہے۔

ان ارواح المؤمنين ياتون فى كل ليلة الجمعة ويوم الجمعة فيقومون بفناء بيوتهم ثم ينادى كل واحد منهم بصوت حزين يا اهلى ويا اولادى ويا اقربائى اعطفوا علينا بالصدقة واذكرونا ولا تنسونا وارحمونا فى الخ۔

بے شک مومنوں کی روحیں ہر شب جمعہ اور جمعہ کے دن اپنے گھروں میں آتی ہیں اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں، اے میرے گھر والو! اے میرے بچو! اے میرے عزیز! ہم پر صدقے سے مہر کرو ہمیں یاد کرو اور ہمیں بھول نہ جاؤ ہماری غربت میں ہم پر ترس کھاؤ اور رحم کرو۔

نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مأتہ مسائل میں ہے۔

عن ابن عباس رضى الله عنهما اذا كان يوم عيد او يوم جمعة او يوم عاشورة او ليلة النصف من شعبان تاتى ارواح الأموات ويقومون على ابواب بيوتهم فيقولون هل من احد يذكرنا هل من احد يترحم علينا هل من احد يذكر غربتنا الحديث

یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برأت ہوتی ہے اموات کی روحیں آ کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی ہیں اور

کہتی ہیں کہ ہے کوئی جو ہمیں یاد کرے ہے کوئی ہم پر ترس کھائے ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔"

مزید استدلال کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں،

"باقی ربا مولوی رشید احمد گنگوہی کا یہ قول کہ ارواح کا اپنے گھروں میں آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور اور متواتر صحاح کی حاجت ہے۔ قطعیات کا اعتبار ہے، نہ ظنیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی بھی صحیح و صریح حدیثوں میں ہو کہ روحیں آتی ہیں تو وہ حدیثیں بھی ان کے نزدیک مردود ہونگی کہ ان روایات میں عمل نہیں علم ہے اور تسلیم بھی کر لیجئے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل، براہین قاطعہ ﴿لِمَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ یُّوْصَلَ﴾ میں چاروں سے زیادہ پر یہی اعجوبہ پھیلا ہوا ہے۔

اقول اگر ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو، اگرچہ اسے نفیاً یا اثباتاً کسی طرح عقائد میں دخل نہ ہو نافی یا مثبت کسی پر اس نفی و اثبات کے سبب حکم ضلالت و گمراہی محتمل نہ ہو، سب باب عقائد میں داخل ٹھہرے جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں نہ مقبول ٹھہریں تو اولاً سیر و مغازی و مناقب، علوم سب گاؤ خورد دریا برد ہو جائیں حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح درکنار ضعاف بھی مقبول۔ سیرت انسان العیون میں ہے لا یخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم والضعیف الخ اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب "منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین" میں ملاحظہ ہو۔"

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سات وجوہ کی بناء پر مولوی رشید احمد صاحب کے قول کو باطل ٹھہراتے ہوئے لکھا ہے،

سابعاً، ختم الٰہی کا ثمرہ دیکھئے اسی براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا ہے تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دال ہیں مردود ٹھہریں اور...... وہیں اس میں محمد رسول اللہ ﷺ کے علم عظیم کی تنقیص کو ایک محض بے اصل

اور بے سند حکایت سے سند لائے کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں'' حالانکہ شیخ محقق قدس سرہ نے ہرگز روایت نہ کیا بلکہ اعتراضاً ذکر کرکے صاف فرمایا تھا کہ:

این سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نہ شدہ است

''غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ماننے کو تو جب تک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذ اللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لئے بے اصل اور بے سند، بے سروپا حکایت مقبول ومحمود اور پھر دعوائے ایمان وامانت ودین ودیانت بدستور موجود ہے انا للہ وانا الیہ راجعون کذلك یطبع اللہ علیٰ کل قلب متکبر جبار''

خلاصہ کے طور پر آخر میں فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں۔

''آنے کے بارے میں تو اتنی کتب اور علماء کی عبارات ہیں مگر نفی وانکار کے لئے کون سی روایت ہے کس حدیث میں آیا ہے کہ روحوں کا آنا باطل وغلط ہے تو ادعائے بے دلیل محض باطل وذلیل یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے ہر طرف مقابل پر روایات موجود صرف بربنائے ضعف مردود، اور اپنی طرف سے نہ روایت کا نام ونشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان، روحوں کا اگر باب عقائد سے تعلق ہے تو نفیاً واثباتاً ہر طرح اس باب سے ہوگا اور دعوائے نفی کے لئے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود اور دوسری طرف سے ضروریات میں ہے اصلاً حاجت دلیل مفقود۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین امین واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم کتبہ عبد المذنب احمد رضا بریلوی عفی عنہ بحمد ن المصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [1]

سوال ''کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک طرف چند پرانی قبریں پائی جاتی ہیں اور باقی ایک تہائی میدان پڑا ہوا ہے اور وہاں کے عمر رسیدہ قریب اسی سے سو

[1] مجموعہ رسائل اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ کراچی حصہ دوم ص ۵۷۔

برس کے بزرگوں سے تحقیق کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ہوش سے ہم لوگوں کے جاننے میں کسی حصہ پر اس سطح زمین میں کوئی میت دفن نہیں ہوئی ہے اس پر چند مسلمان عالی ہمت نے اس تہائی خالی سطح زمین پر مدرسہ اور کتب خانہ بنانے کے لئے حاکم وقت سے درخواست کی تحقیق کرنے کے بعد کہ وہاں کوئی قبر نہیں ہے حاکم نے اجازت دے دی ان حضرات نے مدرسہ وکتب خانہ بنانے کے لئے تمام سامان فراہم کیا ہے اس صورت میں اس مقام پر مدرسہ کتب خانہ بنانا درست ہے یا نہیں اور مدرسہ کی ینو (بنیاد) کھودتے وقت اگر احیانا وہاں مردے کی بوسیدہ ہڈی نکلے تو اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

جواب اہالی مدرسہ جامع العلوم

ایسے مقام پر کتب خانہ اور مدرسہ بنانا جائز ہے لعدم المانع اور اگر بوسیدہ ہڈی اتفاقی طور پر نکل آئے تو اس کو کہیں دفن کردے وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ آہ شامیہ ص ۵۹۹ واللہ اعلم الاحقر محمد رشید مدرس دوم مدرسہ جامع العلوم کان پور۔

خلاصہ جواب مولوی احمد حسن صاحب

صورت مسئولہ اس مقام پر کتب خانہ ومدرسہ بنانا جائز ہے اس لئے کہ یہ جگہ جب مقبرے کے نام سے مشہور اور وقف ہے تو شرعا یہ مقبرہ سمجھا جائے گا اور اس مقبرے کے لئے یہ زمین وقف ہوگی اور اس کی شہرت اس کی دلیل کے لئے کافی ہے۔

درمختار میں ہے،

تقبل فیه الشهادة بالشهرة الخ

ردالمحتار میں ہے الخ عالمگیریہ،

الشهادة علی الوقف بالشهرة تجوز الخ

اوراس کے مندرس ہوجانے سے دوسرا کوئی نفع لینا درست نہ ہوگا۔[1]

---

[1] قاضی خان، مطبوعہ: مصر، جلد ثالث، ص ۳۱۴۔

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة يباح المحلة الانتفاع بها قال أبو نصر رحمه الله تعالى لا يباح الخ

(عالمگیری جلد ثانی مطبوعہ مصر ص ۴۷۰-۴۷۱)

سئل الامام شمس الآئمه محمود الازجندی فی المقبرة إذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتى لا اتعظم ولا غيره هل يجوز زرعها و استدلالها قال لانها حكم المقبرة كذا فی المحيط۔

نہ عدم جواز انتفاع بالمقبرۃ امام زیلعی کی اس عبارت ہی کے خلاف ہے اس لئے کہ انہوں نے جواز میت کے بوسیدہ اور خاک ہوجانے پر مرتب فرمایا ہے اور یہاں عدم جواز اس وجہ سے نہیں بلکہ یہ سب مقبرہ کے وقف ہونے میں ہے جیسا کہ مصحح نے عالمگیری مطبوعہ مصر میں لکھا ہے عبارت منقول عالمگیری پر یہ عبارت لکھی ہے۔

قوله•قال لا هذا لا ينافی ماقاله الزيلعی لأن المانع ههنا كون المحل موقوفا على الدفن فلا يجوز استعماله فی ذرعه فليتأمل وليحرر اه مصححه۔

اور مسائل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ غیر جنس کی طرف وقف جائز نہیں ہے۔

(عالمگیری جلد ثانی ص ۴۷۸)

سئل شمس الأئمة الحلوانی عن مسجد او حوض خرب لايحتاج اليه التفرق الناس هل للقاضی ان يصرف اوقافه الى مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة الى عمارة وهناك مسجد محتاج الى العمارة او على العكس هل يجوز للقاضی صرف وقف ما استغنى عن العمارة الى عمارة ما هو محتاج الى العمارة فقال لا هكذا فی المحيط۔

لہٰذا اس زمین میں جو دفن کے لئے وقف ہو مدرسہ بنانا جائز نہ ہوگا گو خالی ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوسرے اس کا خالی ہونا فقط اتنی شہادت سے کہ ہماری عمر میں ہمارے علم میں کوئی میت دفن نہ کی گئی۔ نہیں ثابت ہوسکتا اور بلکہ اس قدیم مقبرے کا پر ہونا سمجھا جاتا ہے کہ جب دو تہائی

زمین میں قبر اس قدر پرانی ہیں اور سو برس کے لوگوں کے ہوش سے قبل کی ہیں تو ایک ثلث میں اس سے بھی پہلے کی ہوں گی اور وہ بالکل منہدم ہوگئی ہوں اور زمین بالکل صاف معلوم ہوتی ہو، زمین بھر جانے کی وجہ سے دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہو ہاں اگر کوئی شخص بیان کرے کہ جب سے یہ زمین مقبرے کے لئے وقف ہوئی کوئی میت اس تہائی میں نہ دفن کی گئی تو البتہ خالی ہونا ثابت ہوسکتا ہے پھر بھی مدرسہ وغیرہ سوائے دفن کے دوسرے کام میں لانا ناجائز ہے واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدہ العاصی فضل الٰہی عفی عنہ

وہذا الجواب صحیح کتبہ عبدالرزاق عفی عنہ الجواب الثانی صحیح کتبہ احمد حسن عفی عنہ۔

جواب مولوی رشید احمد گنگوہی

یہ جواب صحیح نہیں ہے اور مجیب صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا، الحاصل وہ قبرستان وقف نہیں ہے تو کچھ کلام نہیں ہے اور قبرستان کہ جو وقف مشہور کر دیتے ہیں یہ سب جگہ جاری نہیں اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ گورستان وقف نہیں ہوتا اور بعد تسلیم اس بات کے کہ وہ وقفی ہے اس صورت میں کہ وہاں دفن اموات کا ایک مدت دراز سے بند ہے تو اس میں دوسرا مکان وقفی بنا دینا درست ہے لہٰذا مدرسہ وقفی بنانا اس گورستان میں جائز ہے چنانچہ اس روایت سے واضح ہے یعنی عینی شرح بخاری ج۲،ص۳۵۹۔

فان قلت هل يجوز ان تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجد لم ارا بذلك باساو بذالك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فاذا اندرست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعنا هما على هذا واحد۔

اور کتب فقہ میں بھی روایات جواز موجود ہیں مگر بندے کو مہلت نہیں فقط واللہ تعالیٰ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ)

اس استفتاء پر مجیب اول کے جواب، مجیب ثانی کے جواب اور مجیب ثالث کی تحریرات کے مطالعہ کے بعد حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب تحریر فرمایا۔

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جواب اول غلط صریح اور حکم ثانی حق وصحیح اور تحریر ثالث جہل قبیح ہے۔

گنگوہی صاحب کا بے محل تشقیق

اولاً سوال میں صاف تصریح بھی ہے "ایک قطع وقف زمین" پھر مجیب سوم کی تشقیق کہ اگر وہ قبرستان نہیں الخ محض تشقیق بے معنی ہے۔

وقف میں شہرت کافی ہے

ثانیاً قبرستان کو جو وقف مشہور کر دیتے ہیں یہ سب جگہ جاری نہیں" سریہ کا مشار الیہ شہرت ہے یا واقفیت الخ۔

آگے چل کر مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب میں فتاویٰ خیریہ، عقود الدرایہ بحوالہ فتح القدیر و ردالمحتار، بحر الرائق، عالمگیری، فتاویٰ علامہ خیر الدین رملی، ردالمحتار، فتاویٰ ظہیریہ و خزانۃ المفتین واسعاف، تنویر الابصار، درمختار اور دیگر کتب فقہ و اقوال آئمہ اربعہ و احادیث معتبرہ سے استدلال کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔

"اور وہابیہ کو اس کی فکر ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی قبروں پر مکان بنیں، لوگ چلیں پھریں، قضائے حاجت کریں، بجلی اپنے توڑے لے کر چلیں۔"

اگر این است پسند تو نصیحت باد ال

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم الی آخرہ تمت

کتبہ عبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی ﷺ مہر ۱۳۰۱ [1]

---

[1] مجموعہ رسائل اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی حصہ اول مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ص ۳۳۱

(۶) ایسے ہی منی آرڈر کے بارے میں مولوی گنگوہی کی خدمت میں سوال پیش کیا گیا تو آپ نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا۔

مسئلہ ہمارے دیار میں علماء کے دو فرقے ہیں ایک فرقہ کہتا ہے کہ روپیہ منی آرڈر بلا ملائے پیسہ کے حرام اور سود ہے البتہ اگر پیسہ مل جائے گا تو مباح اور جائز ہے دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ حلال مطلق اور جواز میں کچھ شبہ نہیں ہے کیونکہ ہم سرکار کو مزدوری دیتے ہیں پس ایک محاکمہ شریف شریعت کی رو سے جو کچھ ہو بیان فرمادیں۔

الجواب روپیہ منی آرڈر میں بھیجنا درست نہیں ہے خواہ اس میں پیسے دیئے جائیں یا نہ دیئے جائیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]

اس جواب میں درست نہیں فرمایا گیا ہے جائز ہے یا ناجائز ہے اور کیوں اس کا ذکر نہیں ہے

ایک اور سوال

منی آرڈر میں کچھ روپے ہوں اور کچھ پیسے تو جواز کے لئے یہ حیلہ کافی ہے یا نہیں؟

الجواب: منی آرڈر درست نہیں جیسا ہنڈوی درست نہیں دونوں میں معاملہ سود کا ہے فقط[2]

ایک اور سوال:

منی آرڈر کرنا اور محصول منی آرڈر کا دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنا نادرست ہے اور داخل ربوا ہے اور جو یہ محصول دیا جاتا ہے نادرست ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم[3]

منی آرڈر کے بارے میں ہی ایک اور سوال

اس زمانہ میں جو منی آرڈر بھیجنے کا رواج ہو رہا ہے اس کے جواز کے لئے بھی کوئی حیلہ شرعی ہے یا نہیں اس میں عام و خاص مبتلا ہو رہے ہیں۔

۱۔ فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲ ص ۳۵، ج ۲ ص ۱۵۱۔

۲۔ ایضاً، ج ۲ ص ۱۵۷۔

۳۔ ایضاً، ج ۲ ص ۳۳۔

الجواب حیلہ بندہ کو معلوم نہیں فقط [1]

ان تمام جوابات کی افادیت اور جامعیت سے قارئین خود اندازہ فرما سکتے ہیں اسی طرح کے اس بارے میں اور بھی فتاوی، فتاوی رشیدیہ میں بہ آسانی مل سکتے ہیں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جہاں کوئی نیا مسئلہ پیش ہوا اور ملت اسلامیہ کو اس مسئلے میں اضطراب لاحق ہوا تو فاضل موصوف ایسی تحقیق فرما دیتے ہیں کہ وہ تحقیق نہ صرف اس مسئلہ کے لئے بلکہ اس قبیل کے سب ہی مسائل کے لئے رہنما و رہبر ثابت ہوتی ہے فاضل بریلوی نے منی آرڈر کے مسئلہ میں بھی ایک رسالہ فاضلانہ تحریر فرمایا جس کو فتاوی رضویہ، ج ۱۱ص ۹ پر المنی والدرر لمن عمل منی آرڈر نام سے دیکھا جا سکتا ہے۔

منی آرڈر کے جواز پر ہر پہلو سے یہ عالمانہ فاضلانہ رسالہ ہے۔ جو فتاوی رضویہ، ج ۱۱ کے ص ۹ سے ص ۳۱ تک شامل ہے اس قدر طویل رسالہ کو نقل کرنے کی اس موقعہ پر گنجائش نہیں ہے ہاں البتہ جواب کی شروع کی چند سطور نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

وہ فتوی مطبوعہ فقیر غفر اللہ تعالی کی نظر سے گزرا ہے اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں، یہ ربا ہے دو آنے دس کے عوض دس ملتے ہیں مگر یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جسے اتنی خبر نہیں کہ دو (۲) کا ہے کے دیئے جاتے ہیں شاید انہیں معلوم نہیں کہ ڈاک خانہ ایک اجیر مشترک کی دکان ہے جو بغرض تحصیل اُجرت کھولی گئی تو یہ دو قطعا وہاں جانے اور روپیہ دینے اور واپس آنے اور رسید لانے ہی کی اجرت ہے جیسے لفافہ پر اور پارسل پر ۴ وغیر ذلک اس کو تو کوئی عاقل ربا خیال ہی نہیں کر سکتا یہ ہرگز نہ اس کا معاوضہ نہ زنہار دینے والوں میں کسی کو اس روپیہ کے معاوضہ میں کمی بیشی مقصود وهذا من البديهات التي لا يتوقف فيها الا امثال المفتين الذين لا بصر لهم في الدين الخ [2]

فاضل بریلوی نے اس رسالہ میں منی آرڈر کے سود نہ ہونے کی بحث کو اور منی آرڈر کے اجارہ ہونے کے مباحث کو نہایت مدلل انداز میں لکھا ہے آپ نے ہنڈوی اور منی آرڈر میں بنیادی فرق کی بھی نشاندہی فرماتے ہوئے شرع میں عرف و تعامل کے اعتبار آئمہ کرام و فقہاء عظام و اقوال متقدمین و

---

1. فتاوی رشیدیہ، ج ۲، ص ۳۳ 2. فتاوی رضویہ، ج ۱۱ ص ۱۰۔

متاخرین سے استدلال کیا ہے۔

(۷) سائل نے مولوی گنگوہی سے سوال کیا نوٹ میں زکاۃ ہے یا نہیں اور اگر ہے تو فلوس میں زکاۃ کیوں نہیں لیتے اگر فلوس میں غیر نقدین ہونے کی زکاۃ نہیں ہے تو نوٹ بھی ایسے ہی ہے اس میں زکاۃ کیوں دینا ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب نوٹ وثیقہ اس روپیہ کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے اگر نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا لے سکتے ہیں اور اگر گم ہوجائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ بیع ہوتو ہرگز مبادلہ نہیں ہوسکتا تھا دنیا میں کوئی بیع بھی ایسا ہے کہ بعد تسلیم مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہوجائے تو بائع سے بدل لے سکتے ہیں پس اسی تقریر سے آپ کو واضح ہوجائے گا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین ان میں زکاۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکاۃ ہوگی فقط واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ[1]

مولانا بریلوی نے نوٹ کے بارے میں مکمل تحقیق فرمائی اور اس کے ہر پہلو پر فقیہانہ بصیرت سے غور فرماتے ہوئے فتاویٰ جاری فرمائے جیسا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ جدید زمانے کے پیش آمدہ مسائل کو کتاب وسنت، اجماع اور قیاس کے فقہی اصولوں پر رکھ کر فیصلہ صادر فرماتے ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں بھی انہوں نے ایک جامع فاضلانہ مقالہ قلمبند فرمایا جس کا نام ہے،

"کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" (۱۳۲۴ھ)

یہ فاضلانہ مقالہ علماء حرمین شریفین کی نظروں سے جب گزرا تو ان سے اعتراف حق کے بغیر نہیں رہا گیا اور ان کی تقریظات مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی کمال پر دلیل ہیں اپنی تحقیق کا اصول لکھتے ہوئے مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

اعلم وفقنی اللہ وایاك وتولی هدای وهداك ان النوط من احدث الاشیاء واجدها لن تجد له ذکرا ولا اثرا فی شیٔ من مؤلفات العلماء حتی العلامة الشامی

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۱۵۴۔

ومن ضاهاه من العلماء والماضين قريبا ولكن الأئمة شكر الله تعالى مساعيهم الجميلة وافاض علينا من بركاتهم الحليلة قد بينوا الملة الحنفية بيانا شافيا ليس دونه خفاء وقد آضت بحمد الله تعالى غرا بيضا ليلها كنهارها فاصلوا اصولا وفصلوا تفصيلا وذكر۔

وكليات تنطبق على مالا يحصى من جزئيات فالحوادث وان ابت النهاية الانكار تخرج عما افادونا من الدراية ولن يخلو الوجود ان شاء الملك الودود وعمن يقدره المولى سبحانه وتعالى على استخراج تلك الخبايا والاسترباح من تلك العطايا والمزايا

نعم من الافهام بعيد و قريب والانسان يخطئ ويصيب وما العلم الانور يقذفه الله تعالى فى قلب من يشاء من عباده فلا حيلة الا الا التجاء الى توفيقه سبحانه وارشاده (وحسبنا الله ونعم الوكيل) وعليه ثم وعلى رسوله التعويل جل وعلا وتكرم وصلى الله تعالى عليه وسلم[1]

اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد پھر کسی مزید تحقیق وتفتیش کی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ اس مسئلہ کے زیر بحث بہت سے ایسے فقہی کلیات وجزئیات کا علم ہوجاتا ہے جو جدید پیش آمدہ مسائل میں کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔

سرکار کا حاضر وناظر ہونا

(۸) آنحضور ﷺ سرور موجودات اور صاحب لولاک رحمۃ العالمین ہیں جب آپ دنیا میں تشریف فرما تھے تب بھی احوال عالمین آپ پر منکشف تھے اور آج بھی آپ پر منکشف ہیں اس بات پر ہمارے علماء متفق ہیں۔

صاحب تذکرۃ الرشید کے ایک واقعہ کے بیان سے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے لکھتے ہیں،

1. مقدمہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم از امام احمد رضا خاں

''اعلیٰ حضرت کی بھاوج کا حسن اعتقاد اور مخلصانہ برتاؤ تھا کہ مہمانوں کا کھانا خود پکاتی تھیں اور کسی مہمان کے بے وقت آنے سے کبھی تنگ دل نہ ہوتی تھیں ایک دن اعلیٰ حضرت نے خواب دیکھا کہ آپ کی بھاوج آپ کے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی بھاوج سے فرمایا کہ اُٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکائے اس کے مہمان علماء ہیں اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا۔

اعلیٰ حضرت کی اس مبارک خواب کی تعبیر حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہ سے شروع ہوئی اس لئے کہ علماء میں آپ ہی پہلے عالم ہیں جو آنحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اس رویائے صالحہ کا ہی ثمرہ تھا کہ تخمیناً آٹھ سو علماء سے زیادہ اعلیٰ حضرت کے مرید ہیں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی بھاوج شیعہ مذہب تھیں''۔[1]

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ صاحب تذکرہ کو اور اس مسلک کے علماء وفضلا کو یقین ہے کہ یہ خواب سچ ہے یعنی آنحضرت ﷺ کو حاجی صاحب کا بھی علم ہے اور ان کے شاگردوں کا بھی، شاگردوں کی کیفیات کا بھی علم ہے بھاوج کے کھانے پکانے کا بھی علم ہے اور ان کے شیعہ ہونے کا بھی علم ہے تو پھر آنحضور ﷺ سے علم غیب کے انکار کا سبب کیا ہے واضح رہے کہ صاحب تذکرۃ نے اس خواب کا، تذکرۃ میں کئی جگہ ذکر کیا ہے اور حاجی صاحب کو علم وفضل کا مستدل ٹھہرایا ہے۔

اسی مسئلہ علم غیب کے اثبات پر فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت فاضلانہ محققانہ عالمانہ کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا تاریخی نام "الدولة المكية بالمادة الغيبية" (۱۳۲۳ھ) ہے اس کے علاوہ آپ کی تصانیف "مالئی الجيب بعلوم الغيب" (۱۳۱۸ھ) اور "اللؤلؤ المكنون في علم البشر ماكان وما يكون" (۱۳۱۸ھ) اور "انباء المصطفیٰ بحال سر واخفی" (۱۳۱۸ھ) ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے اثبات علم غیب کے دلائل کتاب وسنت سے دیئے گئے ہیں معترضین کا جواب نہایت مدلل ومحقق طور پر دیا گیا ہے یہی وہ جلیل القدر تصانیف ہیں جن پر علماء حرمین شریفین مصرو

---

[1] تذکرۃ الرشید، ص ۴٦-۴۷، ج ا۔

شام غیرہ نے تقاریظ لکھ کر فاضل بریلوی کی فقاہت وتجر علمی کا اعتراف کیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں کتنا جامع ہے مولانا بریلوی لکھتے ہیں۔

اذ لا نقول بمساواۃ علم اللہ تعالی ولا بحصولہ بالاستقلال ولا نثبت بعطاء اللہ تعالی ایضا الا البعض لکن بون بیّن بین البعض والبعض کالفرق بینَ السماء والارض بل اعظم واکثر واللہ اکبر فبعض الوھابیۃ بعض بغض وتوھین وبعضنا بعض عز و تمکین لا یقدر قدرہ الا اللہ تعالی ومن اعطاہ[۱]

علماء وہابیہ نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس صفات کو بار بار گھٹانے کی اور اہانت کی کوشش کی جس کا مجاہدانہ و فاضلانہ جواب فاضل بریلوی نے تحریر فرما کر ناموسِ رسول ﷺ کی عظمتوں کو عوام الناس کے سامنے پیش کیا۔

فتاویٰ رشیدیہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب کا انکار ہے۔

الجواب علم غیب خاصہ حق تعالی ہے اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں، فقط والسلام مورخہ ۲۴ ذی الحجہ بروز جمعہ مہر[۲]

(۹) بزرگان دین کی قبور سے استمداد مولوی گنگوہی کی نظر میں ممنوع ہے[۳]۔

مولانا بریلوی نے اس کے اثبات میں ایک رسالہ برکات الاستمداد لکھ کر مدلل جواب لکھا ہے[۴]۔

استدلالات کی کمی:

مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاوی میں بالعموم استدلالات کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی

۱؎ الدولۃ المکیۃ از مولانا احمد رضا خاں، ص ۸۰۔

۲؎ فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۱۴۴، ص ۱۲۳، ج ۱، ص ۱۵، ج ۲، ص ۱۲، ج ۲، ص ۶، ج ۳، ص ۴۲، ج ۳، ص ۵۳، ج ۳، ص ۱۰، ۱۱، ج ۳۔

۳؎ فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۵، ۶، ۸۔

۴؎ برکات الامداد لاہل الاستمداد از مجموعہ رسائل حصہ اول مطبوعہ کراچی۔

ہے جس کی وجہ سے جواب نامکمل سا لگتا ہے فتاویٰ رشیدیہ میں بہت سی ایسی بھی مثالیں ہیں کہ سائل نے تفصیلی و مدلل جواب لکھنے کی درخواست کی لیکن اس کی درخواست نامنظور کردی گئی مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ میں یہ نقص بالکل نہیں پایا جاتا وہ ہر جواب کو بہت تفصیل سے لکھتے ہیں قرآن کریم، احادیث شریف، فقہاء کرام کے اقوال کا ذکر بالتفصیل فرماتے ہیں فتاویٰ رضویہ میں اس کی لاتعداد مثالیں ہیں،

مولوی گنگوہی سے ایک شخص نے سوال کیا۔

سوال ذکر جہر کون سی حدیث سے ثابت ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کس موقعہ پر بدعت اور کس موقع پر جائز فرمایا ہے زید کہتا ہے کہ ذکر جہر کرنا کیا ضرورت ہے کیا اللہ تعالیٰ گونگا ہے کہ چپکے سے نہیں سنتا ہے جناب اس مسئلہ پر بمع ثبوت آیت و حدیث کے ارقام فرمادیں اور جس حدیث سے ثابت ہوا ہے وہ حدیث ضرور لکھ دیں اور وجہ بدعت ہونے اور جائز ہونے کی اور مفتی بہ ہونے کی زیب قلم فرمادیں اور جناب نے پہلے فتویٰ میں جو ذکر جہر کا ثبوت لکھا ہے وہ سمجھ میں نہیں آیا فقط۔

جواب السلام علیکم! بندہ مفتی بہ مسئلہ حق جو اپنے نزدیک ہوتا ہے اس کو بتانا فرض ہی نہیں جانتا ہوں اور مسائل کے دلائل لکھنے کی فرصت نہیں اور وہ واجب نہیں اُس کی تحقیق کتب میں ہے اگر علم ہو اس کو دیکھو ورنہ دلائل سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔[1]

سوال ذکر جہر مذہب حنفیہ میں جائز ہے یا نہیں مدلل ارقام فرمایئے۔

جواب ذکر جہر میں حنفیہ کی کتب میں روایات مختلفہ ہیں کسی سے کراہت ثابت ہوتی ہے غیر محل ثبوت میں اور بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور یہی راجح ہے اور اس کی دلیل طلب کرنا بے سود ہے کیونکہ مجتہدین کا خلاف ہے سو اب کون فیصلہ کرسکتا ہے مگر جواز کی دلیل یہ ہے کہ قال اللہ تعالیٰ ﴿اذْكُرْ رَبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ﴾ الآیۃ دون الجہر بھی جہر ہی ہے کہ ادنیٰ درجہ ہے قال علیہ السلام ارفقوا علی انفسکم الحدیث اور یہ بھی

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۱۱۷۔

ذکر جہر ہی ہے رفق کو فرمایا ہے گلو پھاڑنے سے منع کیا ہے اور مطلق آیات واحادیث بہت جواز پر دال ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]۔

اس جواب میں سواب کون فیصلہ کرسکتا ہے قابل غور ہے اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں[2]۔

تاویل لاحاصل

سوال تقویۃ الایمان کے ص ۶۱ مطبوعہ فاروقی میں حدیث نقل فرماتے ہیں۔

''ابوداؤد نے ذکر کیا کہ قیس بن سعد نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام حیرہ ہے سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو سجدہ کرتے تھے اپنے راجہ کو سو کہا میں نے البتہ پیغمبر خدا زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیا جائے ان کو۔ پھر آیا میں پیغمبر خدا کے پاس پھر میں نے کہا کہ گیا تھا میں حیرہ میں تو دیکھا میں نے لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں وہ اپنے راجہ کو سو تم بہت زیادہ لائق ہو کہ سجدہ کریں تم کو سو فرمایا مجھ کو بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو، کہا میں نے نہیں فرمایا تو مت کرو۔ (ف) یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کیا سجدہ کے لائق ہوں الخ تو یہاں پر یہ شبہ واقع ہوتا ہے کہ مٹی میں ملنے سے کیا مراد ہے اور مخالفین یہاں پر یہ اعتراف کرتے ہیں کہ مولانا صاحب کے نزدیک انبیاء کا جسد زمین میں مل جانا ثابت ہوتا ہے اس کا کیا جواب ہے مفصل ارقام فرمایئے۔

الجواب

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مٹی ہو کر مٹی زمین کے ساتھ خلط ہو جائے جیسا سب اشیاء زمین میں پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہے دوسرے مٹی سے ملاقی یا متصل ہو جانا یعنی مٹی سے مل جانا تو یہاں مراد دوسرے معنی ہیں اور جسد انبیاء علیہم السلام کا خاک نہ ہونے کے مولانا مرحوم بھی قائل ہیں چونکہ مردہ کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کرلیتی ہے اور نیچے مردہ کے مٹی سے جسد مع کفن ملاحق ہوتا ہے یہ مٹی میں ملنا اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے کچھ اعتراض نہیں

1۔ فتاویٰ رشیدیہ، ج ا، ص ۲۳۔

2۔ ایضاً، ص ۳۲، ج ا، ص ۴۳، ۶۰، ۷۲، ۷۷، ج ا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم [1]۔

اسی طرح کی بہت سی مثالیں فتاویٰ رشیدیہ سے نکالی جاسکتی ہیں جن میں توہین آمیز کلمات کی تاویل لاحاصل کر کے شبہ کو مزید تقویت پہنچادی گئی ہے ایسی مبہم تاویلات اور تقویۃ الایمان کی تائید میں فتاویٰ رشیدیہ میں متعدد فتاویٰ ہیں [2]۔

مولوی گنگوہی نے حقیقت پسندانہ تفصیل کو نظر انداز کر دیا

سائل نے مولوی رشید احمد گنگوہی سے سوال کیا،

''کوئی قسم بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا،

الجواب بدعت کوئی حسنہ نہیں اور جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے مگر یہ اصطلاح کا فرق ہے مطلب سب کا واحد ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم'' [3]۔

کسی مستفتی نے سوال کیا،

''کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں فقط [4]۔

قارئین خود ملاحظہ فرماسکتے ہیں کہ مولوی گنگوہی نے بدعت کی قسموں کو نظر انداز کیا ہے اور جو کام یعنی ختم بخاری قرون ثلاثہ میں نہیں تھا اس بدعت کو بدعت بھی نہیں قرار دیا، یہ عمل فقہی دیانت کے برخلاف ہے حدیث شریف میں ہے،

عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر

---

1. فتاویٰ رشیدیہ، ج ا، ص ۲۰۔
2. فتاویٰ رشیدیہ، ۲۰/۱، ۴۵/۱، ۴۲/۱، ۸۶/۱، ۱۱۷/۱، ۱۴۴/۱، ۵/۲، ۱۶۵/۲، ۶۲/۲، ۲/۳، ۴/۳، ۳، ۱۲ وغیرہ
3. فتاویٰ رشیدیہ، ج ا، ص ۱۰۔
4. فتاویٰ رشیدیہ، ج ا، ص ۱۱۔

الهدی هدی محمد و شر الأمور محدثاتها و کل بدعة ضلالة (مسلم ، مشکوٰة)

حضرت ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ،

''قال النووی الخ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا کام جس کی مثال زمانہ سابق میں نہ ہو تو اس کو بدعت کہتے ہیں اور شرع میں بدعت یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں نہ تھی اور حضور ﷺ کا فرمان کل ''بدعۃ ضلالۃ'' عام مخصوص ہے۔ حضرت شیخ عز الدین بن عبد السلام نے کتاب القواعد کے آخر میں فرمایا کہ بدعت یا تو واجب ہے جیسے اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو سمجھنے کے لئے علم نحو کو سیکھنا اور جیسے اصول فقہ اور اسماء الرجال کے فن کو مرتب کرنا اور بدعت یا حرام ہے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجۃ اور مجسمہ کا مذہب اور ان بد مذہبوں کا رد کرنا بدعت واجبہ سے ہے اسلئے کہ ان کے عقائد باطلہ سے شریعت کی حفاظت فرض کفایہ ہے اور بدعت یا مستحب ہے جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کی تعمیر اور ہر وہ نیک کام جس کا رواج ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا اور جماعت کے ساتھ تراویح اور صوفیائے کرام کے دقیق اور باریک مسائل میں گفتگو اور بدعت یا مکروہ ہے جیسے شافعیہ کے نزدیک قرآن مجید کی تزئین اور مساجد کا نقش و نگار اور یہ حنیفہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

اور بدعت یا مباح ہے جیسے شافعیہ کے نزدیک صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ورنہ حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے (تحقیق یہ ہے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے) اور لذیذ کھانے پینے اور رہنے کی جگہوں میں کشادگی اختیار کرنا اور کرتے کی آستینوں کو لمبا رکھنا میں سے بعض کی کراہت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ایسی چیز ایجاد کرنا جو قرآن مجید، حدیث شریف، آثار صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو تو وہ گمراہی ہے اور ایسی اچھی بات ایجاد کرنا جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو تو وہ بری نہیں ہے[1]۔

اسی حدیث کے تحت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''بدانکہ ہر چہ الخ یعنی جاننا چاہئے کہ وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ کے

[1] مرقاۃ شرح مشکاۃ، جلد اول۔

بعد ہوئی بدعت ہے لیکن انہیں سے جو کچھ حضورؐ کی سنت کے اصول وقواعد کے مطابق ہے اور اسی پر قیاس کیا گیا ہے اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور ان میں جو چیز سنت کے خلاف ہوا سے بدعت ضلالت کہتے ہیں اور ''کل بدعۃ ضلالۃ'' کی کلیت بدعت کی اسی قسم پر محمول ہے یعنی بدعت سے مراد صرف وہی بدعت ہے جو سنت نبوی کے مخالف ہو اور بعض بدعتیں واجب ہیں جیسے کہ علم صرف ونحو کا سیکھنا سکھانا کہ ان سے آیات واحادیث کریمہ کا مفاہیم ومطالب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور قرآن وحدیث کے غرائب کا محفوظ کرنا اور دوسری چیزیں کہ دین وملت کی حفاظت ان پر موقوف ہے اور بعض بدعتیں مستحسن اور مستحب ہیں جیسے سرائے اور مدارس کی تعمیر اور بعض بدعتیں مکروہ ہیں جیسے بعض کے نزدیک قرآن مجید اور مسجدوں میں نقش ونگار کرنا اور بعض بدعتیں مباح ہیں جیسے کہ عمدہ کپڑوں اور اچھے کھانوں کی زیادتی بشرطیکہ حلال ہوں اور غرور ونخوت کا باعث نہ ہوں اور دوسری مباح چیزیں جو حضور ﷺ کے ظاہری زمانہ میں نہ تھیں جیسے بیری اور چھلنی وغیرہ اور بعض بدعتیں حرام ہیں جیسے کہ اہل سنت وجماعت کے خلاف نئے عقیدوں اور نفسانی خواہشات والوں کے مذاہب اور جو بات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کی ہے اگر چہ اس معنی میں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ کے اقسام میں ہے بلکہ حقیقت میں سنت ہے۔''[1]

مولوی گنگوہی نے بدعت حسنہ سے سراسر انکار فرمایا ہے[2]۔ اور بخاری شریف کے ختم کو بدعت بھی نہیں مانا، فقہی دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ بالاختصار بدعت کی قسموں کا ذکر کیا جاتا تاکہ سائل کو ذہنی تشفی ملتی جب کہ دوسری طرف فتاویٰ رضویہ میں یہ کمی نہیں ملتی۔ فاضل بریلوی نے اکثر مسائل کے معیار کے مطابق جوابات لکھ کر اس کی ذہنی تشفی کی ہے۔

---

1. اشعۃ اللمعات: جلد اول، ص ۱۲۸۔
2. فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲ ص ۹۸۔

شان رسول ﷺ

فتاویٰ رشیدیہ کے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ صاحب فتاویٰ نے توحید کے اثبات میں رسول اللہ ﷺ کی شان کو بھی کم کیا ہے اس سلسلہ میں انہوں نے نص قرآنی کا بھی خیال نہیں کیا مثلاً،

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ لفظ رحمۃ اللعالمین مخصوص آنحضرت ﷺ سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں۔

الجواب لفظ رحمۃ اللعالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء وانبیاء اور علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ ﷺ سب میں اعلیٰ ہیں لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ[1]

اس جواب کو پڑھ کر ہر اک صاحب نظر سمجھ سکتا ہے کہ مولوی نے جان بوجھ کر سرکار رسالت مآب ﷺ کی توہین کی ہے ان کی نظر میں اولیاء کا درجہ انبیاء سے پہلے ہے تب ہی تو پہلے اولیاء کا ذکر ہوا۔ ان کی نظر میں اولیاء، انبیاء اور علماء ربانیین سب کے مراتب کچھ فرق کے ساتھ برابر ہیں کیا یہ درست ہے؟ یا نہیں۔ مفتی صاحب نے جواب میں لکھا کہ اولیاء وانبیاء اور علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں اور مستفتی رحمت عالم نہیں رحمۃ اللعالمین کے بارے میں سوال کر رہا ہے اگر یہ صفت کسی دوسرے کے لئے بتاویل جائز ہوتی تو پھر ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ میں اتنی تاکید کیوں فرمائی جاتی۔

ایک اور سوال کے جواب میں مولوی گنگوہی فرماتے ہیں کہ،

''حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا نہ کبھی اس کا دعویٰ کیا اور کلام اللہ شریف اور بہت سی احادیث میں موجود ہے کہ آپ عالم الغیب نہ تھے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے فقط۔''[2]

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۱۲۔

[2] ایضاً، ج ۲، ص ۱۰۔

اس جواب میں فقہی دیانت کی کمی نظر آتی ہے جگہ جگہ وہ لکھتے ہیں کہ اختلافی مسائل میں احوط طریقہ کو اختیار کرتا ہوں کیا صریح شرک کا اعلان احوط طریقہ ہے؟ ایسے نازک مسائل میں جس میں توہین رسول اللہ ﷺ کا شائبہ ہو جواب بہت واضح اور مستدل ہونا ضروری ہے مجیب نے ان احادیث شریفہ، آثار صحابہ اور قرآنی آیات کو سراسر نظر انداز کر دیا جن سے رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب ثابت ہوتا ہے۔

بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کہ،

''امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ منقولات اور معقولات کے فاضل تھے وہ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے انہوں نے آدم و ابلیس کے واقعہ سے یہ سبق سیکھا کہ زعم توحید میں اللہ کے محبوبوں سے منہ نہ موڑنا چاہئے ابلیس نے منہ موڑا اور دنیا و آخرت میں رسوا ہوا کہیں کا نہ رہا۔ اللہ کے محبوبوں کی شان ہی نرالی ہے ابلیس یہ نکتہ توحید اور رمز محبت نہ سمجھا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردود ٹھہرا اللہ کے محبوبوں کی شان نرالی ہے تو محبوبوں کے محبوب سردار دو عالم ﷺ کی شان کتنی عظیم ہوگی جن کا ذکر زبور میں ہے جن کا ذکر انجیل میں، جن کا ذکر توریت میں، جن کا ذکر دوسرے مذاہب کی کتابوں میں، اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر بلند کیا، کون جانے کب سے بلند کیا، کون سمجھے کہاں تک بلند کیا، بلندیاں ان کے قدم چوم رہی ہیں امام احمد رضا نے اس بلند مرتبت ہستی کے کمالات کو سارے عالم کے سامنے پیش کیا۔ یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے انہوں نے "شمول الاسلام لأباء الرسول الکرام" (۱۳۱۵ھ) لکھ کر آپ کے آباؤ اجداد کی عظمتوں کو اجاگر کیا "نطق الھلال بارخ ولادت الحبیب والوصال" (۱۳۱۷ھ) لکھ کر یہ بتایا کہ اس جان جہاں نے رخ زیبا سے نقاب کب اٹھائی اور رخ زیبا پر نقاب کب ڈالی، "النعیم المقیم فی فرحۃ مولا النبی الکریم" (۱۲۹۹ھ) لکھ کر یہ بتایا کہ یوم ولادت باسعادت خوشیاں منانے کا دن ہے "العروس الاسماء الحسنیٰ فیما لنبینا من الأسماء الحسنیٰ" (۱۳۰۶ھ) لکھ کر یہ بتایا کہ محبوب دو عالم ﷺ کے ایک دو نہیں، ایک ہزار سے زیادہ نام ہیں "فقہ شھنشاہ وان القلوب بید المحبوب باذن اللہ" (۱۳۲۶ھ) لکھ کر یہ بتایا کہ اس تاجدار دو جہاں کو شہنشاہ

بھی کہیں تو بجا ہے "منیر العینین فی حکم تقبیل الابھامین" (۱۳۲۳ھ) لکھ کر یہ بتایا کہ محبوب رب العالمین کے نام نامی پر عشاق بے تابانہ انگوٹھے چومیں تو خیر و برکت ہے "تمھید ایمان بآیات القرآن" (۱۳۲۶ھ) لکھ کر مقامات مصطفیٰ کی سیر کرائی، اور یہ بتایا کہ ان کی جناب میں ادنیٰ گستاخی بھی کفر ہے "سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ" (۱۲۹۷ھ) لکھ کر آپ کے اقتدار و اختیار کا نظارا دکھایا، "اجلال جبریل بجعلہ خادما للمحبوب الجمیل" لکھ کر بتایا کہ ان کے دربار عالی کی یہ شان ہے کہ جبرئیل امین بھی خادمانہ حاضر ہوتے ہیں "منیۃ اللبیب ان التشریع بیدالحبیب" (۱۳۱۱ھ) لکھ کر بتایا کہ ان کی شان اقدس یہ ہے کہ جس کو حرام کریں حرام ہو جائے اور جس کو حلال فرمائیں حلال ہو جائے، "الموھبۃ الجدیدۃ فی وجود الحبیب فی مواضع عدیدۃ" (۱۳۲۰ھ) لکھ کر یہ بتایا کہ ان کی محبوبیت کی یہ شان ہے کہ ان کا عاشق جہاں یاد کرتا ہے وہاں موجود پاتا ہے "اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر بما کان وما یکون" (۱۳۱۸ھ) میں لکھ کر حضور انور ﷺ کے علم کی وسعتوں اور پہنائیوں کا بیان کیا، "صلات الصفا فی نور المصطفیٰ" (۱۳۲۹ھ) لکھ کر نورانیت مصطفیٰ ﷺ کا جلوہ دکھایا، "ھدی الحیران فی نفی الفیء عن الشمس الأکوان" (۱۲۹۹ھ) میں لکھ کر یہ بتایا کہ اس پیکر نور کا سایہ نہ تھا "مبین الھدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ" (۱۳۲۴ھ) میں لکھ کر یہ بتایا کہ نبی اکرم ﷺ سارے عالم میں یگانہ و یکتا ہیں۔ ان جیسا ہونا ممکن ہی نہیں "تجلی الیقین بأن نبینا سید المرسلین" (۱۳۰۵ھ) میں لکھ کر یہ بتایا کہ ہمارے نبی ﷺ سردار انبیا ہیں "جزاء اللہ عدوہ باباءنہ ختم النبوۃ" (۱۳۱۶ھ) میں لکھ کر یہ بتایا کہ سردار انبیاء خاتم الأنبیاء ہیں ان کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی رسول "منبہ المنیہ بوصول الحبیب الی العرش والرویۃ" (۱۳۲۰ھ) میں لکھ کر یہ بتایا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر گئے اور دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے، "جمان التاج فی بیان الصلاۃ قبل المعراج" (۱۳۰۶ھ) میں لکھ کر یہ بتایا کہ واقعہ معراج سے پہلے آپ جہاں جاں کیسے نماز ادا فرماتے تھے۔ "اعتقاد الأحباب فی الجمیل

والمصطفیٰ والآل والاصحاب" (۱۲۹۸ھ) میں لکھ کر بتایا کہ سواد اعظم اہل سنت، اللہ تعالیٰ، مصطفیٰ، آل مصطفیٰ اور اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں "بدر الأنوار فی آداب الآثار" (۱۳۲۶ھ) میں لکھ کر یہ بتایا کہ عاشق کے لئے محبوب کی نشانیاں کتنی پیاری ہیں اور ان کے آداب کیا ہیں "الکوکبة الشہابیة" (۱۳۱۲ھ) میں لکھ کر عظمت و ناموس مصطفیٰ ﷺ پر حملہ کرنے والوں کو للکارا اور گستاخان رسول کا منہ بند کیا۔ ''حدائق بخشش'' (۱۳۲۵ھ) میں لکھ کر اس جان جاں کے اس انداز سے گیت گائے کہ سارا چمن چہچہانے لگا۔

شان محبوب رب العالمین ﷺ کی عظمت و رفعت بتانے کے لئے فاضل بریلوی نے ان ۲۳ کتابوں کے علاوہ اور بھی تصانیف کی ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے استدلالات کے لحاظ سے بے مثال ہے اور ان کتابوں کا جواب لکھنے سے مخالفین قاصر ہیں ایسی بے مثال وعظیم الصفات ہستی کی شان میں مولوی گنگوہی کا صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ ''صریح شرک ہے'' عالمانہ اور فقیہانہ نہیں ہے۔ امام احمد رضا کا محققانہ قلم زندگی بھر سیرۃ النبی ﷺ پر چلتا رہا، انہوں نے سیرت کے ایک ایک گوشے پر مستقل رسالے تصنیف فرمائے اور وہ تحقیق فرمائی جو دوسری کتب سیرت میں نظر نہیں آتی[1]۔

بیماری میں فتویٰ

فقہی جزئیات کے استحضار اور کتب فقہ پر عبور حاصل ہونے میں مولانا بریلوی کو مولوی گنگوہی پر کئی اعتبار سے برتری حاصل تھی ان کے متعدد فتاویٰ اور فقہی رسائل اس دعویٰ کے اثبات میں پیش کئے جاسکتے ہیں[2]۔ مندرجہ ذیل سطور میں مولوی گنگوہی کا ایک فتویٰ ہے جو بیماری میں لکھا ہے۔

۱؎ رہبر و رہنما از پروفیسر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کراچی۔

۲؎ رسالہ ''اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکاۃ'' (۱۳۰۹ھ) در فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۴۳۳، از مولانا احمد رضا خاں

رسالہ ''الوفاق المتین بین السماع الدفین وجواب الیمین'' (۱۳۱۶ھ) ایضاً ص ۳۲۳۔

رسالہ ''حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات'' (۱۳۰۵ھ) ایضاً ص ۲۳۵۔

از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون آنکہ بندہ کی آنکھ میں پانی آیا ہوا ہے اس واسطے میں لکھنے پڑھنے سے معذور ہوں دوسرے ہاتھ سے لکھواتا ہوں اس وجہ سے مختصر لکھتا ہوں[1]۔ اگر آپ کی تسلی ہو جائے تو بہتر ورنہ بندہ معذور ہے قبور سے اس طرح دعا کرنا کہ اے صاحب قبر اس طرح میرا کام کردے تو یہ حرام وشرک بالاتفاق ہے اور یہ بات کہ تم میرے واسطے دعا کرو تو اس بات میں اختلاف ہے منکرین سماع اس کو لغو ناجائز کہتے ہیں اور مجوزین سماع جائز جانتے ہیں اور یہی بندہ نے پہلے بعض سائلین کے جواب میں لکھا ہے بندہ مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں کرتا لیکن احوط کو اختیار کرتا ہوں فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2]۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی قوت حافظہ حیرت انگیز اور محیر العقول تھی ان کی سوانح نگاروں نے بہت سے مشاہدات قلم بند کیے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب کا ایک دو بار پڑھ لینا ان کو مہینوں اور سالوں کے لئے کافی ہو جاتا تھا حتیٰ کہ کتابوں کی عبارات بھی ذہن میں محفوظ ہو جاتی تھیں علالت کے زمانہ میں پہاڑ پر گئے ہوئے تھے کوئی کتاب پاس نہ تھی مگر پھر بھی ہر استفتاء کا جواب لکھتے رہے اور حوالوں کے ساتھ چنانچہ اس قسم کے ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں،

فقیر ۲۹ شعبان سے بوجہ علالت رمضان شریف کرنے اور شدت گرما گزارنے کو پہاڑ پر آیا ہوا ہوں وطن سے مجبوراپنی کتب سے دور لہٰذا شرح وبسط سے معذور مگر حکم بفضلہ تعالیٰ واضح میسور[3]۔

علالت اور کتابوں سے دوری کے باوجود جو جواب عنایت کیا اس میں کتب فقہ وحدیث شریف کے ۳۱ حوالے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے کتابیں مستحضر تھیں اور علالت کے دوران کتابوں سے دور ہونا ان کے خدمت افتاء کے تحقیقی معیار میں کوئی رکاوٹ نہیں بنتا تھا[4]۔

---

1. نوٹ: فتاویٰ رشیدیہ کے سب فتاویٰ مختصر ہیں وہ سب ایام بیماری کے تو نہیں ہیں۔
2. فتاویٰ رشیدیہ، ج ا، ص ۱۳۰۔
3. العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، ج ۳، ص ۲۸۵۔
4. حیات مولانا احمد رضا بریلوی از پروفیسر محمد مسعود احمد، ص ۱۴۵۔

کتابوں کو پڑھتے پڑھتے جب زیادہ وقت گزر جاتا ہے اور ایک ہی عبارت کئی بار دیکھ لی جاتی ہے تو خود بخود'' الفاظ ذہن میں محفوظ رہ جاتے ہیں اور صفحات نمبر بھی یاد رہ جاتے ہیں یہ عام تجربہ ہے اللہ والوں کی تو شان ہی نرالی ہے[1]۔

اختصار:

مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مختصر اور آسان زبان میں بھی جامع فتویٰ لکھنے کا ملکہ تھا۔ اس اختصار میں گہرائی اور گیرائی بدرجہ اتم ہوتی تھی۔ فتاویٰ رضویہ میں اس طرح کے فتاویٰ کی سینکڑوں مثالیں ہیں مثال کے طور پر۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تم مٹی کے برتن کو اب پاک کر کے رکھو تو میں تمہارے چاقو مار دوں۔ اب زید کے لئے کیا حکم ہے بموجب شرع شریف کے بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں زید نے تین گناہ کئے، (۱) مسلمان کو ناحق تہدید، (۲) مال کو ضائع رکھنے کی تاکید، (۳) مسئلہ شرعیہ پر انکار شدید، زید پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور عمرو سے اپنا قصور معاف کرائے واللہ تعالیٰ اعلم[2]۔

مولوی گنگوہی کے فتاویٰ میں عموماً اختصار ہے کچھ فتاویٰ جامع بھی ہیں لیکن بہت سے فتاویٰ اختصار میں مبہم اور غیر واضح رہ گئے ہیں[3]۔

[1] نوٹ: احقر کے بچپن میں جب میں مدرسہ عالیہ فتح پوری میں زیر تعلیم تھا اور اکثر وقت حضرت قبلہ مرشدی جد امجد مفتی محمد مظہر اللہ کی خدمت میں گزارتا تھا تو کئی بار ایسا ہوا کہ حضرت نے فتویٰ لکھتے وقت فرمایا'' بیٹے فلاں کتاب لاؤ اور یہ صفحہ نکالو'' آپ ضعیف تھے اور ہماری تربیت بھی مقصود تھی جب میں وہ صفحہ نکال کر دیتا تو ملاحظہ فرما کر کچھ نقل فرماتے اور پھر کتاب واپس اپنی جگہ پر رکھنے کو فرما دیتے احقر کو تعجب ہوتا تھا کہ حضرت کو کتابوں میں عبارتیں اور صفحات کیسے حفظ ہو گئیں۔ از راقم

[2] فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۱۴۵۔

[3] فتاویٰ رشیدیہ، ص ۴۳، ۶، ۷، ج ۱۔

مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ میں تناقض:

مولوی رشید احمد گنگوہی مجلس مولود کو بدعت اور ممنوع لکھتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ میں بہت سے فتاویٰ ان کے اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں[1]۔ ان کے پیر صاحب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مجلس مولود کے جواز پر بہت تفصیل سے لکھتے ہیں اور خود بھی شمولیت کا ذکر کرتے ہیں[2]۔ وہ لکھتے ہیں،

"بلکہ اس زمانے میں جو ہر طرف سے پادریوں کا شور بازاروں میں حضرت ﷺ اور ان کے دین کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف آریہ لوگ جو خدا ان کو ہدایت کرے پادریوں کی طرح بلکہ ان سے زیادہ شور مچاتے ہیں ایسی محفل کا انعقاد ان شروط کے ساتھ جو میں نے اوپر ذکر کی ہیں[3]۔ اس وقت میں فرض کفایہ ہے"[4]

اب عقل حیران ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ میں جس محفل مولود کو بدعت اور ممنوع کہا گیا ہے مندرجہ ذیل فتویٰ میں اس کی تردید ہے۔

"ذکر میلاد فخر عالم علیہ الصلاۃ والسلام کا مندوب و مستحب ہے اگر روایات صحیحہ سے بیان ہو اور کوئی امر مکروہ غیر مشروع اس میں مضموم نہ ہو چنانچہ اس امر کو بار بار بتصریح یہ عاجز لکھ چکا ہے اور براہین قاطعہ میں بھی اس کے جواز وندب کی تصریح کی گئی ہے کسی کو اس پر اعتراض نہیں جو کچھ بحث وکلام ہے وہ سب قیود وزوائد میں ہے اور بس مگر حساد کو یا نظر نہیں یا فہم نہیں اور اسی طرح اپنے اساتذہ ومشائخ کا علم درآمد دیکھا ہے جو کچھ اہل عناد نے انکار نفس مولود شریف کا اتہام بندہ اور احباب بندہ پر لگایا ہے وہ محض افتراء ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۴۳، ۵۰، ۷۱، ۱۴۷، ۱۵۱، جلد دوم، ص ۱۳۱، ۱۴۳، اور ان کے علاوہ بہت سے مقامات پر یہی فتویٰ ہے۔

[2] ہفت مسئلہ وفتاویٰ رشیدیہ، ص ۹۰، ج ۱۔

[3] جیسے تعیّن اور باجا اور کثرت سے روشنی بے ہودہ نہ ہو بلکہ روایات صحیحہ کے موافق ذکر معجزات اور ذکر ولادت حضرت کیا جائے۔

[4] خیر البیان فی مولد سید الانس والجان از زید ابوالحسن مجددی فاروقی ص ۲۳، مطبوعہ دہلی، ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء۔

گنگوہی عفی عنہ[1]

اسی طرح کے تناقضات فتاویٰ رشیدیہ میں اور بھی ہیں۔

مولوی گنگوہی اور مولانا بریلوی کے عربی فتوے:

مولوی گنگوہی کا فتاویٰ رشیدیہ جلد اول، ص ۱۱۹ میں ایک مختصر عربی فتویٰ نظر آتا ہے لیکن صفحہ ۱۱۸ پر یہی فتویٰ اردو میں ہے اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل فتویٰ اردو میں ہوگا جس کو عربی میں ترجمہ کرکے علمائے عرب کے سامنے پیش کیا گیا ہے مولوی گنگوہی کی عربی میں کوئی قابل ذکر تحریر نہیں اس لئے عربی زبان میں ان کی مہارت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

مولوی گنگوہی کا عربی فتویٰ:

مولوی رشید احمد گنگوہی کے ایک فتویٰ پر علماء مکۃ المکرمہ کی تصدیقات بھی ملتی ہیں جس کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم ما قولكم دام فضلكم في ان الله تعالى هل يتصف بصفة الكذب ام لا ومن يعتقد أنه يكذب كيف حكمه افتونا ماجورين۔

الجواب ان الله تعالىٰ منزه من أن يتصف بصفة الكذب وليست في كلامه شائبة الكذب ابدا كما قال الله تعالى ومن أصدق من الله قيلا ومن يعتقد ويتفوه بأنه تعالى يكذب فهو كافر ملعون قطعا ومخالف الكتاب والسنة واجماع الأمة تعالى الله عما يقول الظالمون علوا كبيرا نعم اعتقاد اهل الايمان ان ما قال الله تعالى في القرآن في فرعون وهامان وابي لهب انهم جهنميون فهو حكم قطعي لا يفعل خلافه ابدا لكنه تعالى قادر على ان يدخل الجنة وليس بعاجز عن ذلك ولا يفعل هذا مع اختياره قال الله تعالىٰ ولو سبئتنا لأيتنا كل نفس هداها ولكن حق

[1] خیر البیان، ص ۲۷۔

القول منى لأملئن جهنم من الجنة والناس أجمعين ۔ فتبين من هذه الآية أنه تعالى لو شاء لجعلهم كلهم مؤمنين ولكنه لا يخالف ما قال وكل ذلك بالاختيار لا بالاضطرار وهو فاعل مختار فعال لما يريد هذا عقيدة جميع علماء الأمة كما قال البيضاوى تحت تفسير قوله تعالى ان تغفرلهم الخ وعدم غفران الشرك مقتضى الوعيد فلا امتناع فيه لذاته والله اعلم بالصواب كتبه الاحقر رشيد احمد كنكوهى عفى عنه۔

خلاصہ تصحیح علماء مکہ مکرمہ زاد اللہ شرفہ

الحمد لمن هو به حقيق ومنه المستمد والتوفيق ما اجاب به العلامة رشيد احمد المذكور هو الحق الذى لا محيص عنه وصلى الله على النبيين وعلى اله وصحبه وسلم امر برقمه خادم الشريعة راجى اللطف الخفى محمد صالح ابن المرحوم صديق كمال الحنفى مفتى مكة المكرمة حالا كان الله لهما (محمد صالح ابن المرحوم صديق كمال) رقمه المرتجى من ربه كمال النيل محمد سعيد بن محمد ما بصيل مفتى الشافعه بمكة المحمية غفر الله له والوالديه ومشائخه وجميع المسلمين (محمد سعيد بن محمد ما بصيل) الراجى العفو من واهب الوطية محمد عابد ابن المرحوم الشيخ حسين مفتى المالكية ببلد الله المحميته مصليا مسلما هذا وما اجاب به العلامة رشيد احمد فيه الكفايته وعليه المعول هل هو الحق الذى لا محيص عنه، رقم الحقير خلف بن ابراهيم خادم رفقاء الحنابلة بمكة المشرفة حالا حامدا مصليا مسلما (الشيخ حسين محمد بن عابد ابن المرحوم) (خلف بن ابراهيم) ص۱۱۹، فتاوى رشيديه، ج اول۔

فاضل بریلوی کا عربی فتویٰ:

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ نہیں بلکہ بہت سے رسائل عربی زبان میں

ہیں اگر ان فتاویٰ کا اس فتویٰ سے تقابل کیا جائے تو یہ فتویٰ نہ مواد کے لحاظ سے افضل ہے اور نہ اسلوب کے لحاظ سے۔ اس دعویٰ کی دلیل میں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ رضویہ کی جلد ہفتم سے ایک عربی فتویٰ "کفل الفقیہ الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" (۱۳۲۴ھ) کے چند اوراق نمونۃً پیش کیے جاتے ہیں اصل فتویٰ بڑے سائز کے ستر صفحات پر مشتمل ہے۔

"كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم" (١٣٢٤هـ)

ماقولكم دام طولكم فى هذا القرطاس المسكوك المسمى بالنوط ؟ و السؤال عنه في مواضع:

الأول: هل هو مال ام سند من قبيل الصك؟

الثاني: هل تجب فيه الزكوة اذا بلغ نصابا فاضلا و حال عليه الحول ام لا؟

الثالث: هل يصح مهرا؟

الرابع: هل يجب القطع بسرقته من حرز؟

الخامس: هل يضمن بالاتلاف ممثله او بالدراهم؟

السادس: هل يجوز بيعه بدراهم او دنانير او فلوس؟

السابع: اذا استبدل بثوب مثلا يكون مقايضة أو بيعا مطلقا؟

الثامن: هل يجوز اقراضه وان جاز فيقضي بالمثل او بالدراهم؟

التاسع: هل يجوز بيعه بدراهم نسيئة الى اجل معلوم؟

العاشر: هل يجوز السلم فيه بان تعطى الدراهم على نوط معلوم نوعا وصفة يؤدى بعد شهر مثلا؟

الحادي عشر: هل يجوز بيعه بازيد مما كتب فيه من عدد الربابى كان يباع نوط عشرة باثني عشر او عشرين او بانقص منه كذلك؟

الثاني عشر: ان جاز هذا فهل يجوز اذا اراد زيد استقراض عشرة ربابى من عمرو ان يقول عمرو لا دراهم عندى ولكن ابيعك نوط عشرة باثنتى عشرة ربية

منجمة الى سنة يؤدى كل شهر ربية وهل ينهى عن ذلك لأنه احتيال فى الربا وان لم ينه فما الفرق بينه وبين الربا حتى يحل هذا ويحرم ذلك مع ان المآل وهو حصول الفضل واحد فيهما؟

افيدونا الجواب۔ توجروا يوم الحساب۔

الجواب:

اللهم لك الحمد يا وهاب صل وسلم على السيد الاواب وعلى آله وازواجه والاصحاب اسألك هداية الحق والصواب۔

اعلم وفقنى الله واياك وتولى هداى وهداك ان النوط من احدث الأشياء واجدها۔ لن تجد له ذكرا ولا اثرا فى شئ من مؤلفات العلماء حتى العلامة الشامى ومن ضاهاه من العلماء الماضين قريبا ولكن الأئمة شكر الله تعالى مساعيهم الجميلة وافاض علينا من بركاتهم الجليلة قد بينوا الملة الحنفية بيانا شافيا ليس دونه خفاء۔

وقد آضت بحمد الله تعالى غراء بيضاء ليلها كنهارها فاصلوا اصولا وفصلوا تفصيلا وذكروا كليات تنطبق على مالا يحصى من جزئيات فالحوادث وان ابت النهاية لا تكاد تخرج عما افادونا من الدراية ولن يخلوا الوجود ان شاء الملك الودود عمن يقدره المولى سبحانه وتعالى على استخراج تلك الخبايا والاسترباح من تلك العطايا والمزايا۔ نعم من الافهام بعيد وقريب والانسان يخطئ ويصيب وما العلم الا نور يقذفه الله تعالى فى قلب من يشاء من عباده فلا حيلة الا الالتجاء الى توفيقه سبحانه وارشاده (وحسبنا الله ونعم الوكيل) وعليه ثم على رسوله التعويل جل وعلا وتكرم وصلى الله تعالى عليه وسلم۔

فاقول وبالله التوفيق وبه الوصول الى ذرى التحقيق أول اسئلتك اصل اسئلتك واذا علمت حقيقة هذا القرطاس اتضحت الاحكام كلها من دون

التباس۔

بيان حقيقة النوط و انه مال متقوم:

اما اصله فمعلوم انه قطعة كاغذ و الكاغذ مال متقوم وما زادته هذه السكة الا رغبة للناس اليه وزيادة فى صلوح ادخاره للحاجات وهذا معنى المال الى ما يميل اليه الطبع ويمكن ادخاره للحاجة كما فى البحر والشامى وغيرهما۔

ومعلوم ان الشرع لم يرد بحجر المسلم عن التصرف فى قطعة قرطاس كيف ما كانت كما ورد به فى الخمر والخنزير وهذا هو مناط التقوم كما فى حاشية ابن عابدين وفيه عن التلويح، المال ما من شانه ان يدخر للانتفاع وقت الحاجة والتقويم يستلزم المالية وفيه عن البحر عن الحاوى القدسى المال اسم لغير الأدمى خلق لمصالح الأدمى وامكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار اهـ[1]

وقد قال المحقق على الاطلاق فى فتح القدير

"لو باع كاغذه بالف يجوز ولا يكره"[2]

جزئية النوط:

وهذه ان حققت جزئية النوط اتى بها هذا الامام قبل حدوثه بخمس مائة سنة فانه هو الكاغذ الذى يباع بالف ولا غرو، فكم من مثل هذه الكرامات لعلمائنا الكرام؟ نفعنا الله تعالى ببركاتهم فى الدنيا والأخرة أمين۔

فلا ريب ان النوط بنفسه مال متقوم يباع ويشترى ويوهب ويورث ويجرى فيه جميع ما يجرى فى الأموال۔

الرد على من توهم ان النوط صك لامال:

---

۱ ردالمحتار، ۴/۳(ط: دارالکتب العربیۃ بمصر)۔

۲ فتح القدیر للامام ابن الہمام، ۳۲۵/۵ (ط: المطبعۃ الکبریٰ بمصر)۔

اقول ومن الظن بل من اردء الشكوك توهم انه سند من قبيل الصكوك ای ان السلطنة التی تروج هذه القراطيس تستدين من آخذيها الدراهم وتعطيهم هذه تذكرة لديونهم ولمقاديرها فاذا جاءوها بها الى السلطنة قضتهم ديونهم واخذت قراطيسها وان اعطوها غيرهم من الرعايا فهم يستدينون من اولئك الآخرين ويحيلونهم على السلطنة ويعطونهم تلك التذكرة علما على الاحالة كی يتوصلوا بها الى اخذ مثل ديونهم من السلطنة المديونة لمدينيهم وهكذا كلما تداولت الايدی تكررت الادانات والحوالات هذا معنى كونه سندا۔

وكل طفل عاقل يعلم ان هذه المعانی مما لا يخطر ببال احد من المتعاملين بها ولا يقصدون قط بهذا التداول ادانة ولا استدانة ولا حوالة ولا يذهب خاطرهم الى شئ من ذلك اصلا ولا ترى احدهم قط يذكر فی دفتر ديونه على الناس من اخذ الدراهم منه باعطاء النوط ولا يقول له مدة عمره انه استدنت منی كذا فاقضنی وخذ تذكرتك منی ولا فی دفتر ديون الناس عليه من اخذ هو الدراهم منه واعطاه النوط ولا يذكر لاحد فی حياته ولا عند مماته ان لفلان على كذا فاقضوه وخذوا تذكرتی منه والظلمة المنهتكة المعتادة بأكل الربا جهارا لا يدينون احدا درهما الا بربا يوضع عليه كل شهر ما لم يقض وتراهم ياخذون النوط ويعطون الدراهم ولا يطلبون عليها فلسا واحدا لا على شهر ولا على سنين ولو علموا انه ادانة لما تركوه قطعا فالحق انهم جميعا انما يقصدون المبادلة والبيع والشراء ومن اخذ النوط يعلم قطعا انه ملكه بالدراهم ومن اعطاه يعلم قطعا انه اخرجه من ملكه بالدراهم وصاحبه يعده من ماله وكنزه كالنقدين والفلوس ويدخره ويهبه ويوصی به ويتصدق فلا يفهمون الا البيع والناس عند مقاصدهم "وانما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ ما نوى"۔[1]

[1] البخاری،۱/۱۔

فمن المتيقن الذی لا یحوم حومه شبهة انه عند الناس مال متقوم محرز مدخر مرغوب فیه یباع ویشتری ویجری فیه کل ما فی المال جری۔

الکلام علی علو اثمان النوط:

اما ما تری من علو اثمانه فقطعة بعشرة واخری بمائة واخری بالف۔

فاقول: قدمنا عن "الفتح" ان قطعة قرطاس تصلح ان تباع بالف وذلك بالتراضی بین العاقدین فقط، فکیف اذا تراضی علیه امم من الناس وجعلوا هذه القطعات بهذه الاثمان اصطلاحا منهم علی ان الضرب السلطانی له قیمة عند الشرع ایضا الا تری ان من سرق عشرة دراهم مضروبة قطع ومن سرق تبرا غیر مضروب وزنه قدر عشرة ولا تبلغ قیمته عشرة مضروبة لم یقطع کما نص علیه فی الهدایة[1] وغیرها عامة کتب المذهب، والفلوس المضروبة المقدرة بربیة ان اخذت قدرها وزنا من النحاس لا یساوی ربیة قطعا بل قد لا یساوی نصفها بل تری مثل ذلك فی الفضة فقد کانت فی قریب من الزمان فضة تساوی ربیتین وزنا بربیة واحدة فی بلادنا وکانت الجهلة یشترون ولا یعلمون ما فیه من وبال الربا، فاذا حصل بالضرب التضعیف فالضعف والاضعاف سواء ومن الجلی عند کل من ورد ولو عابر سبیل مشرع الشرع الجلیل او منهل العقل السلیم ان الشیئ التافه جدا، ربما یعرض له ما یجعله اغلی من الوف أمثاله وربما اشتریت جاریة بمائتی الف وأکثر ولا یرغب فی اخری بثلاثین درهما مع ان الأوصاف لا قسط لها من الثمن حتی الاطراف مالم تصر مقصودة بالاتلاف فما هی الاثمن الذات زادته الأوصاف لزیادة الرغبات۔

ارئیتك ان کانت ورقة کاغذ فیها علم نفیس عجیب نادر غریب وکان رجل یطلبه ویعرف قدره فاشتراها بعشرة الأف هل فیه من خلاف، کلا بل حلال

[1] عبارة الهدایة: لو سرق عشرة تبرا قیمتها انقص من عشرة مضروبة لا یجب القطع الهدایة ۱/۵۱۸۔

طیب بنص القرآن والاجماع من دون نکیر ولا نزاع قال تعالیٰ : ﴿اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ﴾[1]

مولانا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی عربی تحریر پڑھنے کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ فاضل موصوف علیہ الرحمۃ کے ہاں عربی ادب کے مشہور و معروف انشاء پردازوں کا رنگ ملتا ہے تو بے جا نہیں ہوگا مثال کے طور پر ابن المقفع (م ۱۴۲ھ) جاحظ (م ۲۵۵ھ) ابن العمید (م ۳۶۰ھ) بدیع الزماں ہمدانی (م ۳۹۸ھ) حریری (۴۴۶-۵۱۶ھ) جیسے فاضل ادیبوں و انشاء پردازوں کی نگارشات کی مکمل جھلک ملتی ہے فاضل موصوف کی عربی تحریرات کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو پڑھ کر یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ۲۰ صدی کے ہندوستانی عالم کی تحریرات ہم پڑھ رہے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالص عربی النسل ادیب اور فقیہ کی تحریرات ہمارے سامنے ہیں الفاظ و معانی کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہوتا ہے جو اپنی روانی میں نادر المثال ہے سلیس اسلوب بیان، پرشکوہ الفاظ اور فصاحت بیان قابل صد ستائش ہے یہی وہ خصوصیات ہیں جن سے متاثر ہوکر بھارت اور علماء حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً کے فضلاء و علماء نے فاضل بریلوی کی تصانیف کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر جناب عبدالحیٔ لکھنوی سابق جنرل سیکریٹری ندوۃ العلماء لکھنؤ اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں مولانا شیخ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہ یشہد بذلک مجموع فتاواہ وکتابہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم الذی الف فی مکۃ سنۃ ثلاث وعشرین وثلث مائۃ الف"[2]

حکیم عبدالحیٔ صاحب نے تو امام احمد رضا خاں کا تفقہ نادر المثال لکھا ہے صرف ان کے زمانہ میں، لیکن احقر اس بات کو بلا جھجک کہتا ہے کہ پچھلی کی صدیوں میں اور آئندہ کئی صدیوں میں فاضل بریلوی جیسا فقہ حنفی میں تفقہ و تبحر نادر الوجود ہے۔

---

[1] القرآن الحکیم، النساء آیہ ۲۹۔

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۴۔

الدولۃ المکیۃ میں بہت سی وہ تفصیلات مل جائیں گی جن میں علماء حرمین شریفین نے بڑی فراخدلی کے ساتھ فاضل بریلوی کے فقہی تبحر کو خراج عقیدت پیش کیا ہے کسی ہندوستانی عالم کی علمی اور فقہی تصنیفات پر اتنی بڑی تعداد میں علماء عرب کا اعتراف کمیاب ہے۔[1]

مجلس مولود شریف، ذکر شہادت اور عرس و فاتحہ کے بارے میں گنگوہی کے غیر محتاط فتاویٰ

فتاویٰ رشیدیہ کے تینوں حصوں میں اور تذکرۃ الرشید کے باب الافتاء میں ایسے فتاویٰ کی کمی نہیں ہے جن میں بڑی فراخدلی کے ساتھ مولوی گنگوہی نے مجلس مولود شریف، ذکر شہادت اور عرس و فاتحہ کے بارے میں اپنی رائے دی ہے اور اپنے احوط مسلک کو چھوڑ کر غیر احوط طریقہ کو اپنایا ہے یہاں پر ہم چند فتاویٰ ذکر کرتے ہیں۔

''از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند مجلس مولود مروجہ بدعت ہے اور بسبب خلط امور مکروہہ کے مکروہ تحریمہ ہے اور قیام بھی بہ وجہ خصوصیت کے بدعت ہے اور امردلڑکوں کا پڑھنا راگ میں بسبب اندیشہ ہیجان فتنہ کے مکروہ ہے اور فاتحہ مروجہ بھی بدعت ہے فلہذا مشابہت بفعل ہنود ہے اور تشبیہ غیر قوم کے ساتھ منع ہے ایصال ثواب بدون اس ہیئت کے درست ہے اور سوئم و دہم جملہ رسوم ہنود کی ہیں اس تخصیص ایام میں مشابہت ہوتی ہے اور تخصیص ایام کی بھی بدعت ہے اگرچہ ایصال ثواب بدون کسی تخصیص و مشابہت کے درست ہے۔ فقط''[2]

سوال انعقاد مجلس میلاد بدون قیام بروایات صحیحہ درست ہے یا نہیں بینوا توجروا رقیمہ نیاز محمد امتیاز علی طالب علم مدرسہ قصبہ سہنپور۔ جواب طلب مع حوالہ کتب

الجواب انعقاد مجلس مولود بہر حال ناجائز ہے تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے فقط واللہ

---

[1] تفصیل کے لئے فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں، مؤلفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطالعہ کریں

[2] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۱۴۷۔

تعالیٰ اعلم، اگر پڑھو گے حوالہ کتب معلوم ہو جاویں گے نہ پڑھو گے تو تقلید سے عمل کرنا۔ فقط

والسلام کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ[1]

تعجب تو یہ ہے کہ مولوی گنگوہی کے لئے مولود سننے میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا قول بھی حجت نہیں ہے[2]۔

سوال مولود شریف اور عرس کو جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں اور شاہ صاحب واقعی مولود و عرس کرتے تھے یا نہیں۔

الجواب عقد مجلس مولود اگر چہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے لہٰذا اس زمانہ میں درست نہیں ہے علیٰ ہذا عرس کا جواب ہے بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھی پھر کسی وقت میں منع ہو گئی مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے فقط[3]۔

شاہ صاحب کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

ایک اور مستفتی نے شاہ عبد الرحیم محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے عمل مبارک کا ذکر کیا ہے کہ وہ مولود شریف کرتے تھے اور اس روز کھانا تیار کراتے تھے تو صاحب فتاویٰ نے اس کی بھی تاویل لا حاصل کر دی اور مولود کے اثبات کے قائل نہیں ہوئے[4]۔

مولوی گنگوہی مجلس مولود شریف کو ترک کرنے کی تاکید کا اس قدر دھیان رکھتے ہیں کہ اگر سائل نے اس کے بارے میں پوچھا بھی نہیں ہے تو بھی وہ اپنے جواب میں اپنی رائے شامل کر دیتے ہیں کیا یہ ''احوط'' طریقہ تو نہیں ہے۔

سوال سوئم و چہلم وغیرہ کی مجلس بالتخصیص دن کے منع ہے یا بالکل ہی ترک کرنا چاہئے اور اس

---

1. فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۹۲۔
2. فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۹۰۔
3. ایضاً، ج ۱، ص ۵۰۔
4. ایضاً، ج ۱، ص ۷۲، ۷۱۔

مجلس میں جانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب مجالس مروجہ زمانہ ہذا میلاد وعرس وسوم وچہلم بالکل ہی ترک کرنا چاہئے کہ اکثر معاصی وبدعات سے خالی نہیں ہوتی فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]۔

واضح رہے کہ سائل نے میلاد وعرس کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔

مولوی گنگوہی ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ بعد سلام مسنون آنکہ مجلس مولود مروج بدعت ہے اور اس میں قیام کو سنت مؤکدہ جاننا بھی بدعت ضلالہ ہے اور فخر عالم علیہ السلام کو مجلس مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے اگر باعلام اللہ جانتا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے اور بوقت ملاقات علماء صلحاء کا ہاتھ چومنا مباح ہے اور قبور اولیاء اللہ سے دعا چاہنا بھی مختلف فیہا ہے جس کے نزدیک سماع موتیٰ ثابت ہے وہ جائز کہتے ہیں اور جو ان کا سماع کا کرتے ہیں وہ لغو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ سنت سے اس طرح دعا کرانا ثابت نہیں لہٰذا بدعت ہے بندہ کے نزدیک مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں ہوسکتا البتہ احوط کو پسند کرتا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم روز دوشنبہ ۲ صفر المظفر از گنگوہ''[2]

ذکر شہادت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وہ حرام لکھتے ہیں۔

سوال محرم میں عشرہ وغیرہ کے روز شہادت کا بیان کرنا مع اشعار بروایات صحیحہ یا بعض ضعیفہ بھی ونیز سبیل لگانا اور چندہ دینا اور شربت، دودھ بچوں کا پلانا درست ہے یا نہیں۔

الجواب محرم میں ذکر شہادت حسنین علیہما السلام کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو یا سبیل لگانا شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے۔ فقط[3]

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۱۶۳۔

[2] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۴۲۔

[3] ایضا، ج ۳، ص ۱۴۵۔

اس معاملہ میں مولوی گنگوہی کے ہاں رعایت نہیں ہے حتی کہ شاہ صاحب کی لکھی ہوئی کتاب سر الشہادتین کو پڑھنا ذکر شہادت کے طور پر بھی ممنوع ہے اور وہ اس کو ناجائز لکھتے ہیں بالکل جھجک یا احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ فتاوی رشیدیہ کے تینوں حصوں میں اس طرح کی مثالیں بکثرت ہیں خلاصہ یہ ہے کہ ان کی تحریروں سے شان فخر دو عالم ﷺ کی تعظیم کے بجائے تنقیص مترشح ہوتی ہے اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بجائے اہل یزید سے ہمدردی اور محبت کا رجحان ملتا ہے۔

عرس میں شرکت

فاتحہ سوم چہلم وغیرہ اور عرس کی محافل ان کی نظر میں ممنوع ہیں یہ ممانعت قطعیہ ہے اس میں وہ جگہ جگہ حرام ہونے کا فتوی دیتے ہیں حالانکہ حرام اور مکروہ تحریمی دو اصطلاحیں فقہ میں ہیں حرام کا فتوی دینے میں کون سی نص قطعی ان کے سامنے ہے یقین نہیں کیا جاسکتا۔

سوال میلہ ہنود وعرس مسلمانوں میں جیسا کہ ہردوار، پیران کلی اور اجمیر ہے واسطے سوداگری یا خریدنے کسی شے ضرورت کے خاص وعام کو جانا کیسا ہے۔

الجواب میلوں میں ہنود و مسلمانوں کے جانا تجارت کے واسطے بھی حرام ہے اگرچہ جو مال فروخت ہو اس میں خدمت نہیں ہوتی فقط[1]

ذرا غور فرمائیں کہ مولوی صاحب کی نظر میں بزرگان دین کے مزارات پر عرس کے دنوں میں جانا کسی بھی مقصد سے حرام ہے اور یہ اعراس وغیرہ کی محفلیں ہردوار کی مشرکانہ محفلوں اور میلوں کے مشابہ ہیں استغفر اللہ۔

ہنود و مسلمانوں کے میلوں میں خرید و فروخت بھی اگر حرام ہے تو عوام بے چارے کہاں خرید و فروخت کریں اگر ان کو یہ فتوی لگانا ہی تھا تو اس کے لئے ٹھوس نقلی اور عقلی دلائل کی ضرورت ہے۔

ایک اور فتوی

سوال عرس میں بے ضرورت واسطے تماشہ کے جانا کیسا ہے زید یہ کہتا ہے کہ اس جگہ جانے

۱ فتاوی رشیدیہ، ج ۲ ص ۳۰۔

سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یہ کہنا اس کا کیسا ہے۔

الجواب بے ضرورت بھی جانا حرام ہے مگر نکاح نہیں ٹوٹتا کہ کفر نہیں البتہ فسق ہے۔

معلوم ہوا کہ عمداً حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے کافر نہیں کیا یہ درست ہے؟

ایک اور فتویٰ

سوال کتاب حارق الاشرار ص ۱۰۵ حاشیہ تذکیر الاخوان (مجتبائی دہلی) میں لکھا ہے کہ سفر کرنا واسطے زیارت بزرگان دین کے یعنی بجائے مکہ ومدینہ شریف کے جائز نہیں ہے زید کہتا ہے کہ جب زیارت کرنا سنت مقرر ہوا تو سفر دور دراز کرنے میں کیا نقصان ہے قول حارق الاشرار والے کا ضعیف معلوم ہوتا ہے یہ کہنا زید کا کیسا ہے؟

الجواب قبور بزرگان دین کی زیارت کو سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے بعض علماء درست لکھتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس میں نزاع تکرار نہیں چاہئے مگر ہاں عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے فقط[1]

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جو لوگ اور وفود بزرگان دین کے اعراس میں شرکت کی غرض سے جاتے ہیں اور کسب فیض کرتے ہیں اور مسلم حکومتیں اس سفر کے لئے خصوصی رعایات دیتی ہیں وہ سب حرام کے مرتکب ہیں اور حرام کو حلال سمجھنے والا اور عمداً اس پر عمل کرنے والا کافر ہو جاتا ہے تو اس فتویٰ کے مطابق تو مومن چند لوگ ہی بچیں گے اس فتویٰ سے تو ان کے اکابر کا ایمان بھی خطرے میں پڑ گیا۔

فتاویٰ رشیدیہ میں اس طرح کے فتاویٰ کی کمی نہیں ہے ایک امر مندوب ومباح کیوں ممنوع ہو گیا۔ امور غیر مشروعہ کا ارتکاب نہ بھی ہو تو اس کو منع اور حرام لکھ دینا دیانت فقیہ کے خلاف ضرور ہے پھر نہیں تو تشبہ بالہنود کا الزام لگایا گیا یہی مفتی صاحب بچہ کی سالگرہ منانے کو جائز لکھتے ہیں حالانکہ اس فعل میں تشبہ بالنصاریٰ موجود ہے۔

سوال سالگرہ بچوں کی اور اس کی خوشی میں اطعام الطعام کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب سالگرہ یادداشت عمر اطفال کے واسطے کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا اور بعد چند سال کے

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۳۰۔

کھانا بوجہ اللہ کھلانا بھی درست ہے فقط [1]

مسجد کی تعمیر میں مؤمنوں کے علاوہ اور کن لوگوں کا پیسہ لگ سکتا ہے یہ اختلافی مسئلہ ہے آیا مشرکین کا پیسہ جائز ہے یا نہیں مسجد کے لئے اس کا استعمال کیسا ہے وغیرہ وغیرہ بہت سے سوالات ہیں جو ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اس بارے میں مولوی گنگوہی کا فیصلہ۔

سوال شیعہ یا ہندو یا نصاریٰ یا یہود مسجد بنادے یا اس کی مرمت کرے چندہ مسجد وغیرہ میں شریک ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے مسجد ان لوگوں کی بنائی ہوئی بحکم مسجد ہے اگر یہ لوگ مسجد میں روپیہ لگانا ثواب جانتے ہیں تو ان کا وقف درست ہے ایسے ہی اوپر کی عمارت میں شریک ہوں تب بھی درست ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [2]

میری نظر میں اس فتویٰ میں مزید تفصیل اور دلائل کی ضرورت تھی فتاویٰ رشیدیہ کے بہت سے فتاویٰ میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ ایسے اہم معاملات میں مولوی گنگوہی بغیر کسی دلیل کے غیر احوط طریقہ کو اختیار فرماتے ہیں اور جو مسائل آئمہ اربعہ اور اکابرین ملت سے منقول ہیں انہیں اپنے مسلک کے مطابق کرنے کے لئے اشکال کا اظہار کر دیتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اس کے برخلاف امور تعبدیہ میں وہ بہت نرم ہیں۔ مثلاً

سوال قومہ وجلسہ میں دعاء مسنونہ نہ پڑھنے سے جو شخص کہتا ہو کہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے یہ قول صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب یہ مسئلہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے فقط [3]

فتاویٰ رضویہ میں اس طرح کی فروگزاشتیں اور غیر محتاط بے اعتدالی نہیں پائی جاتی۔

---

1. ایضاً ج ۱ ص ۸۷۔
2. ایضاً ج ۲ ص ۴۹۔
3. فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۔

مولوی گنگوہی کی یزید کی حمایت اور تاریخ کو نظر انداز کرنا،

سوال یزید کہ جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا ہے تو وہ یزید آپ کی رائے میں کافر ہے یا فاسق؟

الجواب کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں، یزید مومن تھا بسبب قتل کے فاسق، کفر کا حال دریافت نہیں۔ کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدہ قلب پر موقوف ہے فقط[1]۔

تشریح ملاحظہ ہو مولوی صاحب نے لفظ ''مومن'' لکھ کر یزید کو صالح مومن ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے لکھا ہے کہ وہ پہلے بسبب قتل کے فاسق ہوا یعنی اس واقعہ کربلا سے پہلے اس سے کوئی فسق و فجور ظاہر نہیں تھا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی بیعت سے پھر کیوں انکار فرمایا اور اس کے فتنہ سے ملت کو آزاد کرانے کا کیوں عزم فرمایا۔

سوال حضرت معاویہ ؓ نے اپنے روبرو یزید پلید کو ولی عہد کیا ہے یا نہیں؟

الجواب حضرت معاویہ ؓ نے یزید کو خلیفہ کیا تھا اس وقت یزید اچھی صلاحیت میں تھا فقط[2]

مستفتی نے چونکہ سوال میں یزید کو پلید لکھ دیا تھا اس لئے مولوی گنگوہی کو یزید کی حمایت لینی پڑی۔ سائل نے صرف یہ پوچھا کہ حضرت معاویہ ؓ نے زندگی میں ولی عہد کہا تھا یا نہیں۔ اس نے یزید کی صلاحیت اور نیکی کے بارے میں دریافت ہی نہیں کیا تھا لیکن مجیب موصوف نے لکھا کہ وہ اچھی صلاحیت میں تھا نہ معلوم وہ کون سی صلاحیت تھی جس کو تاریخ محفوظ نہ کر سکی اور سینہ بہ سینہ یہ علم منتقل ہوا۔

سوال جب کہ حضرت معاویہ ؓ نے حضرت امام حسن ؓ سے اقرار نامہ لکھا تھا کہ تا زندگی یزید کو ولی عہد نہ کروں گا پھر حضرت معاویہ ؓ اپنے قول سے کیوں پھر گئے اور یزید کو کیوں ولی عہد کیا صحابی سے اقرار توڑنا بعید معلوم ہوتا ہے قمار باز اور شرابخوار یزید پہلے ہی سے تھا یا ولی عہدی کے وقت نہ تھا مفصل صحیح کس طور ہے؟

الجواب حضرت معاویہ ؓ نے کوئی عہد یزید کے خلیفہ نہ کرنے کا نہیں کیا یہ واہیات وقائع

---

[1] ایضاً ج ا ص ۱۰۔

[2] ایضاً ج ۲ ص ۳۱۔

ہیں فقط۔[1]

یزید اول صالح تھا بعد خلافت کے خراب ہوا تھا فقط۔

دروس التاریخ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن کے مابین ایک معاہدہ کا ذکر ہے جس میں صاف لکھا ہے کہ حضرت امام نے جب خلافت سے دستبرداری قبول کی تو کچھ شرطیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجیں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ امیر معاویہ کے بعد حضرت امام حسن خلافت سنبھالیں گے حضرت امیر معاویہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مہر لگا کر ایک سفید سادہ کاغذ دو معتبر اشخاص کے ساتھ حضرت امام حسین کے پاس بھیجا کہ آپ اس کاغذ پر جو شرائط لکھ دیں گے مجھے منظور ہے اور حضرت امام نے وہ شرائط لکھ کر بھیجیں لیکن بعد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سب میں سے چند شرطوں پر عمل کیا۔

صرف یہی ایک فتویٰ نہیں ہے بلکہ فتاویٰ رشیدیہ کے ہر حصے میں ایسے کثیر فتاویٰ ہیں حتیٰ کہ مجیب نے سر الشہادتین کا پڑھنا بھی محرم میں منع اور ناجائز لکھا ہے جب کہ یہ کتاب خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کردہ ہے۔

خالی الذہن ہو کر غور کرنے کے بعد اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ یا تو یہ لوگ نواسہ رسول ﷺ کی عظیم المرتبت شہادت ہی نہیں سمجھتے بلکہ خروج یا بغاوت کی شرعی تعزیر گردانتے ہیں یا پھر یزید کے جذبہ حمایت میں یہ اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ امام واجب الاحترام کی دردناک مظلومی حق پرستی اور رقت انگیز واقعہ شہادت کا اظہار کر کے یزید کے مظالم و شقاوت کی داستان منظر عام پر لائی جائے۔

یزید کی زندگی کا تاریخی پس منظر:

یزید کے بارے میں دروس التاریخ الاسلامی واحوال الدول العربیہ" تالیف الشیخ محی الدین الخیاط الجزء الثالث مطبوعہ بیروت، ۱۹۴۱ء بمطابق رجب ۱۳۶۰ھ میں یہ عبارتیں قابل ذکر ہیں۔

الدرس الرابع تتمة خلافة معاوية ابن ابی سفیان وخلافة ابنه یزید

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ، ج ا، ص ۱۱۸۔

اول ملک وارثی

بلغ من حرص معاوية على الملك ان حال حصر الملك فی آله ورهطه فنجح، واول عمل عمله لذلك حمله الناس على مبايعة ابنه يزيد فی حياته على ان يكون الخليفة بعد مماته مع اشتهاره بسوء السيرة والتهتك الخ[1]

خلافة يزيد بن معاوية، اول ملك متهتك

لما تو فى معاوية بويع لولده يزيد بالخلافة فی سنة ٦٠ هـ وهو معروف بالتهتك الى درجة نهائية (وهو اول ملك متهتك فى الاسلام) وقد علمت مما تقدم ان اباه استخلفه قبل موته وكتب الى البلاد بمبايعه فبايعه الاكثرون مكرهين الا الاربعة الماء ذكرهم الخ[2]

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دروس التاریخ تاریخ اسلام کی وہ جامع کتاب ہے جو ہندوستان کے مدارس اسلامیہ میں کورس میں شامل ہے اور علماء دیوبند کو اس کتاب پر پورا اعتماد ہے تب ہی تو کورس میں شامل کر رکھا ہے جب اس کتاب میں یزید کی بدمعاشی بدکرداری اور رسوائے زمانہ ہونے کی شہادت دی گئی ہے تو پھر مولوی رشید احمد گنگوہی کے پاس کون سا ایسا ثبوت ہے جس سے انہوں نے یزید کو صالح تحریر فرمایا۔

یہ بھی ذکر کر دینا موقع کے مناسب ہوگا کہ صاحب کتاب نے مندرجہ ذیل مآخذ تاریخ سے استفادہ کیا ہے تب اس کتاب کو تالیف کیا ہے۔

١) تاریخ ابن جریر الطبری المسمی تاریخ الامم والملوک۔

٢) تاریخ ابن الاثیر المسمی الکامل۔

٣) تاریخ ابن خلدون المسمی العبر ودیوان المبتداء والخبر۔

٤) تاریخ ابی الفداء المسمی المختصر فی اخبار البشر۔

---

[1] دروس التاریخ، ج ٣، ص ٢٢۔

[2] دروس التاریخ، ج ٣، ص ٢٦۔

۵) تاریخ الفخری المعروف بابن طباطبا

۶) تاریخ مروج الذہب للمسعودی

۷) تاریخ العبریہ۔

۸) تاریخ الروحی

۹) تاریخ السیرۃ الحلبیۃ للحلبی۔

۱۰) تاریخ فتوح البلدان للبلاذری۔

۱۱) تاریخ العقد الفرید لابن عبدربہ

۱۲) تاریخ الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ

۱۳) تاریخ الحیاۃ الحیوان الدمیری

مؤلف نے ان اہم ماخذ کی تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ بہت سے وہ ماخذ تاریخ ہیں جن کا ذکر یہاں میں نہیں کر رہا چونکہ وہ سب ماخذ کا مرجع یہی مصادر ہیں۔

اب کون سا وہ ماخذ ہے جس میں یزید کی نیک چلنی کی گواہی دی گئی ہو اسی کتاب کے ص۳۵ اور ۳۶ پر یہ عبارت بھی قابل ذکر ہے۔

ثم توفي يزيد سنة ٦٤ھـ وعمره ٣٨ سنة وخلافة ثلاث سنوات، فكانت سيرة سيرة تهتك وخرق وهو أول من اتخذ الخصيان في الاسلام، وقد جنى عليه اربع جنايات قتل الحسين واباحة المدينة، وهدم الكعبة واتخاذ الخصيان![1]

یزید کے بارے میں تاریخ کے آئینہ سے میں ان حقائق کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں تاکہ قارئین خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ کیا ملت اسلامیہ کے ایک امام عادل کی یہی زندگی ہونی چاہیے علامہ ابن کثیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں،

وقد روى ان يزيد كان قد اشتهر بالمعازف وشرب الخمر والغناء والصيد واتخاذ الغلمان والكلاب والنكاح بين الكباش الدباب والقرود الا وما من يوم يصبح فيه

[1] دروس التاریخ، ج۳، ص۳۶،۳۵۔

مخمورا وكان يشد القرد على فرس بسجة يحلل ويسوق ويلبس القرد قلانس الذهب وكذلك الغلمان وكان يسابق بين الخيل وكان اذا مات حزن عليه[1]

البدایہ میں ہی یزید کے بارے میں یہ بھی تصریح ہے،

وكان فيه ايضا اقبال على الشهوات وترك بعض الصلاة واما تنها فى غالب الأوقات[2]

ترجمہ: نقل روایت سے ثابت ہے کہ یزید سرود و نغمہ، ساز و راگ، شراب نوشی اور سیر و شکار کے اندر اپنے زمانہ میں مشہور تھا نو عمر لڑکوں، گانے والی دوشیزاؤں اور کتوں کو اپنے گرد جمع رکھتا تھا سینگ والے لڑاکا مینڈھوں سانڈھوں اور بندروں کے درمیان لڑائی کا مقابلہ کرواتا تھا ہر دن صبح کے وقت میں نشہ میں مخمور اٹھتا تھا، زین کسے ہوئے گھوڑوں پر بندروں کو رسی سے باندھ کر پھراتا تھا بندروں اور نو عمر لڑکوں کو سونے کی ٹوپیاں پہناتا تھا۔ گھوڑوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کراتا تھا جب کوئی بندر مر جاتا تو اس کا سوگ مناتا تھا۔

اور اس کے اندر شہوات نفس کی طرف میلان اور بعض نمازوں کے ترک اور اکثر اوقات انہیں نذر غفلت کر دینے کی عادت تھی۔

یزید کی بدکرداری و عیاشی کے بارے میں مفتی شوکت علی فہمی اپنی تصنیف مکمل تاریخ اسلام میں لکھتا ہے،

''یزید چونکہ عیاش، شرابی، زانی اور ناکارہ نوجوان تھا اس لئے اس کی ولی عہدی کی مخالفت دوستوں اور دشمنوں سب نے ہی کی لیکن امیر معاویہ چونکہ اس کی ولی عہدی کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے انہوں نے ڈرا دھمکا کر اور دے دلا کر مصر، شام و عراق کے باشندوں سے تو کسی نہ کسی طرح یزید کی ولی عہدی کی بیعت حاصل کر ہی لی لیکن حجاز جسے سب سے بڑی مذہبی حیثیت حاصل تھی وہاں کے لوگ کسی طرح بھی یزید کی بیعت کے لئے آمادہ نہ ہوئے آخر اہل حجاز کو

[1] البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۳۶۔

[2] ایضاً، ص ۲۳۰۔

ہموار کرنے کے لئے امیر معاویہ کو خود مکہ اور مدینہ کا سفر کرنا پڑا۔

یہاں پانچ ایسے مقتدر حضرات تھے جن کا سارے حجاز پر اثر تھا یہ پانچ بزرگ یہ تھے۔

حضرت امام حسین، عبدالرحمان بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین''[1]

اسی تاریخ اسلام میں ص ۲۸۳ پر مفتی شوکت علی فہمی نے لکھا ہے،

''لیکن حقیقت یہ ہے کہ یزید ایک سرے سے ہی حکمرانی کے قابل نہ تھا''[2]

مختصر تاریخ اسلام مکمل کے مصنفین بشیر احمد طاہر اور محمد جلال الدین سعید بھی یزید کے بارے میں لکھتے ہیں،

''امیر معاویہ کے انتظام اور پیش بندیوں کے باوجود ان کے جانشین یزید کے لئے خلافت کا راستہ ہموار نہ تھا جب ان کے انتقال کے بعد یزید نے نئے سرے سے تمام اہل عرب سے بیعت لینی چاہی تو امام حسین نے حق وصداقت کا علم بلند کیا اور یزید کے فسق وفجور پر نظر کرتے ہوئے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا''[3]

یزید کی عیاشی اور فسق وفجور کے واقعات سے تاریخ اسلام کی معتبر کتابیں بھری پڑی ہیں اس کے باوجود بھی کچھ لوگ کہتے ہیں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جدال وقتال فتنہ بغاوت فرو کرنے کی جہت سے جائز تھا اور یزید نے اپنا شرعی حق استعمال کیا ایسے باطل خیالات کی تردید بھی ملاحظہ فرمائیے

وقد غلط القاضی ابو بکر بن العربی المالکی فی ھذا فقال فی کتابه الذی سماه بالعواصم والقواصم ما معناه ان الحسین قتل بشرع جده وھو غلط حمله علیه الغفلة عن اشتراط الامام العادل ومن اعدل من الحسین فی زمانه امامته وعدالته فی قتال اھل الأراء (مقدمه ابن خلدون، ص ۱۸۱)

---

[1] مکمل تاریخ اسلام، ص ۲۸۳۔

[2] ایضاً، ص ۲۸۳۔

[3] مختصر تاریخ اسلام مکمل، ص ۴۵۔

قاضی ابوبکر ابن عربی مالکی نے اپنی کتاب العواصم والقواصم میں یہ کہہ کر سخت غلطی کی ہے کہ امام حسین ﷺ اپنے نانا کی شریعت کے مطابق قتل کے گئے یہ سراسر غلط ہے غلطی کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے امام کے خلاف کھڑے ہونے والے کے لئے جو قتل کی سزا تجویز کی ہے وہیں شرط یہ ہے کہ وہ امام عادل ہو قاضی صاحب نے امام عادل کی اس شرط کو نظر انداز کر دیا ہے حسین کے زمانے میں ملت کی امامت وسرداری کے لئے امام حسین ﷺ سے زیادہ عادل وکامل کون ہوسکتا تھا کہ خواہش پرستوں سے جنگ کرے۔

ذرا خیال تو کیجئے جس کے گھر سے ملت کا چشمہ پھوٹا ملت سیراب ہوئی تطہیر ملت کی ذمہ داری بھی اسی پر سب سے زیادہ تھی وقت نے انہیں نہایت درد وکرب کے ساتھ پکارا اور انہوں نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا زمین وآسمان کی کائنات شاہد ہے کہ بلا ریب وہ اس اعزاز کے مستحق تھے یزیدی عہد حکومت کے منکرات کی تغیر اور ملت کی تطہیر بھی امام عالی مقام کا بنیادی نصب العین اور یزید کے خلاف اقدام کا اصل محرک تھا کربلا کے پورے سفرنامہ میں یہ حقیقت جگہ جگہ نمایاں ہے چنانچہ حر تمیمی کی حراست میں طریق عذیب وقادسیہ سے کربلا کی طرف پلٹتے وقت امام نے تاریخی خطبہ دیا تھا وہ آج بھی کتابوں میں محفوظ ہے اقدام ونصب العین کا پس منظر سمجھنے کے لئے خطبہ کا لفظ لفظ ضمانت ہے۔

خطبہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو،

ایها الناس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من رآئ سلطانا جائرا مستحلا لحرم الله ناکثای لعهد لله مخالفا لسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم یغیر ما علیه بفعل ولا قول کان حقا علی الله ان یدخله مدخله الاوان هولاء قد لزموا طاعة الشیطان وترکوا طاعة الرحمان واظهره الفساد وعطلوا الحدود واستاثروا بالفی واحلو حرام الله وحرموا حلاله وانا احق من غیر (عربی عبارات بحواله، کامل ابن اثیر، ج ٤، ص ٤٠)

اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی سلطان جائر کو دیکھے کہ اس نے خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرا دیا ہے وہ عہد الٰہی کو توڑ رہا ہے سنت رسول اللہ کی

مخالفت کر رہا ہے اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا معاملہ کرتا ہے پس یہ سب کچھ دیکھتے جانتے بھی اپنے قول وعمل سے اس شر کو مٹا کر اپنا فرض ادا نہیں کرتا ہے تو خدا کا تقاضا عدل ہے کہ اس کے ٹھکانے تک پہنچا دے غور سے سنو کہ ان یزیدوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور خدا کی بندگی کو چھوڑ دیا ہے ان لوگوں نے ہر طرف فساد برپا کر دیا ہے اور شریعت کی تعزیرات کو معطل کر دیا ہے اور سرکاری مال کو ذاتی مفاد پر خرچ کر دیا خدا کے حرام کو حلال کیا اور اس کے حلال کئے ہوئے کو حرام ٹھہرا دیا اور ان یزیدوں کے شر کو مٹانے والوں میں سب سے زیادہ مستحق میں ہوں۔

حضرت امام نے یزید کی بدکرداریوں اور بدعملیوں کی جو نشاندہی فرمائی ہے کیا ان تمام باتوں کے باوجود بھی یزید کو صالح کہا جا سکتا ہے جیسا کہ مولوی گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے ہو سکتا ہے کہ مولوی گنگوہی کی نظر میں کوئی تاریخ رہی ہو اگر ایسا تھا تو اس کا ذکر ضروری تھا تا کہ قارئین کو الجھن نہ ہوتی اور صحیح بات سمجھنے میں آسانی ہوتی وہ اپنا نصب العین ثابت کرنے کے لئے ان تمام تاریخی دستاویزات کی حقیقت کے آئینہ میں تغلیط کرتے اور اپنے مدعا کو مدلل طور ثابت کرتے ایسا نہ کرنا محققانہ بصیرت کے منافی ہے حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ امتیازی وصف ہے کہ آپ نے مدعا کو نہایت مدلل اور بہترین انداز میں پیش فرماتے ہیں اور اس کی تحقیق میں اتنی محنت فرماتے ہیں کہ قارئین کے دلوں میں پھر کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولوی گنگوہی کی نگاہ میں یزید صالح تھا اور بوجہ قتل حسین کے فاسق ہوا تو پھر حضرت امام کے خروج کی وجہ کیا تھی؟ کیا وہ دولت وثروت، جاہ وحشمت، عزت واقتدار کیلئے نکلے تھے؟ حاشا وکلا ایسا نہیں ہے وہ تو نواسہ رسول ﷺ کے آل اطہار میں ہیں۔ وہ جنتیوں کے سردار ہیں اگر وہ دنیاوی حرص وطمع فرماتے تو کیا اس بات کو اتنا پاک اور مقدس ضمیر گوارا فرماتا معلوم ہوا کہ یزید خلافت کے منصب کے کسی بھی طرح اہل نہیں تھا اور اس کی عیاشی وفسق وفجور سے تنگ آ کر حضرت امام نے خروج فرمایا تھا تو پھر مولوی صاحب روز محشر میں حضرت امام اور اہل بیت آل اطہار کو کیا منہ دکھائیں گے۔

فتاویٰ رشیدیہ کی اجمالی خصوصیات

مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ کو مطالعہ کرنے سے ان چند خصوصیات کا علم ہوتا ہے ان کے فتاویٰ بہت مختصر ہوتے ہیں کتب فقہ سے حوالہ جات نہیں ذکر کیے جاتے مختلف فیہا مسائل میں علماء کرام کے اقوال اور فقہاء کی آراء کا بھی ذکر نہیں ہوتا، مختلف فیہا مسائل میں وہ قول مفتی بہ اور قول مرجوح[1] کا بھی ذکر نہیں کرتے۔ ان کے فتاویٰ میں ایک بڑی کمی یہ بھی ہے کہ وہ مستفتی کو متجسس اور حیران چھوڑ دیتے ہیں اور بعض مسائل میں اپنی لاعلمی[2] کا اظہار فرمادیتے ہیں بعض مفروضہ وجوہات کی بناء پر امور مباحہ کو ممنوع، بدعت اور بدعت ضلالہ لکھتے ہیں، مسائل و محافل میں تشبہ بالمشرکین نہ ہوتے ہوئے بھی تشبہ فرض کر کے حرام قرار دے دیتے ہیں[3] اور جہاں تشبہ بالمشرکین والنصاریٰ ہوتا ہے وہاں نظر انداز کر کے جواز کا فتویٰ صادر فرمادیتے ہیں جیسے مولود شریف،[4] ذکر شہادت حسین رضی اللہ عنہ،[5] عرس ایصال ثواب کی محافل سوم، چہلم وغیرہ ان کے نزدیک بدعت اور ممنوع ہیں بعض مقامات پر ان امور کے لئے حرام[5] کا بھی فتویٰ دے دیا ہے لیکن بچہ کی سالگرہ[6] منانا جو نصاریٰ کا طریقہ ہے ان کے نزدیک جائز ہے اثبات ایمان و کفر و شرک کے فیصلوں کو صادر کرنے میں وہ زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتے حالانکہ ان مسائل میں احتیاط پسندی علماء کرام کا عمل رہا ہے۔[7] اسی قسم کا ایک اہم فیصلہ صاحب تذکرۃ الرشید نے ان الفاظ میں لکھا ہے۔

اس قصہ کے بعد حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا اسی طرح اکثر بزرگ پوشیدہ ہو کر خلقت

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ، ص ۴۲، ص ۱۲۶، ج ۱ وغیرہ۔

[2] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱ ص ۴۱، ۷۷، ۱۳۰، ج ۲ ص ۸، ۲۸، ۳۰، ۳۳، ۳۵، ۱۵۶، ۱۵۹۔

[3] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱ ص ۵۰، ۷۱، ۱۴۷، ۱۵۱، ج ۲ ص ۱۳۱، ۱۹۳ وغیرہ

[4] ایضاً، ج ۲ ص ۹۶، ج ۳ ص ۱۲۵ وغیرہ۔

[5] ایضاً، ج ۲ ص ۳۰۔

[6] ایضاً، ج ۱ ص ۸۷۔

[7] ایضاً، ج ۲ ص ۳۰۔

کوراہ ہدایت پر لاتے ہیں اسی طرح بابا نانک بھی مسلمان تھے اور پوشیدہ ہوکر ہدایت کرتے تھے ان کی گرنتھ کا پہلا شعر یہ ہے،

اول نام خدا دا دوجا نام رسول
تیجا کلمہ پڑھ لے نانکا جو درگاہ میں پویں قبول [۱]

بابا نانک کو یقینی طور پر مسلمان کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے اور وہ ایک عالم کا قول جبکہ ساری دنیا میں اس کے دینی معتقدات اور امور تعبدیہ میں اثبات ایمان پر کوئی دلیل نہیں ملتی اور پھر گرونانک تو مغلیہ اسلامی دور میں ہندوستان میں تھے اگر وہ اعلانیہ اسلام قبول کرتے اور عقائد اور اعمال صالحہ کو اپناتے ہوئے ان کو کس بات کا ڈر تھا اگر صرف اس شعر کی روشنی میں مولوی گنگوہی کے اس فتویٰ کو درست مان لیا جائے تو آج کل ہندو پاک کے غیر مسلم شعراء جو حمد باری تعالیٰ ونعت پاک لکھتے ہیں اولیاء اللہ کی کرامات کے قائل ہیں ان کے بارے میں کیا فتویٰ دیا جائے گا۔

میری نظر میں یہ مولوی گنگوہی کا سہو ہے؟

مسجد کی تعمیر میں وہ بلا جھجک شیعہ، مشرکین [۲]، یہود ونصاریٰ کے روپیہ کا استعمال کو جائز لکھتے ہیں سب کو معلوم ہے یہ مختلف فیہا مسائل ہیں لیکن وہ ان اختلافات کا ذکر ہی نہیں کرتے۔

ان کے اکابر کی کچھ تحریرات ایسی بھی ہیں جن سے عظمت رسول اللہ ﷺ کی تنقیص ظاہر ہوتی ہے وہ ان اقوال کو درست مانتے ہوئے تاویل سے کام لیتے ہیں جس میں وہ کامیاب نہیں ہیں اس کے باوجود ان کے معتقدات کو اپنانے کی تلقین وتاکید کرتے ہیں [۳] مولوی صاحب نے یزید کی حمایت کی ہے اور اس کو صالح لکھا ہے بسبب قتل حسین کے وہ فاسق ہوا [۴] یہ فتویٰ تاریخی حقائق کی روشنی میں بالکل غلط

[۱] تذکرۃ الرشید، ج ۲، ص ۲۳۸۔

[۲] فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۲۹۔

[۳] ایضاً، ج ۱، ص ۱۱۷، ۱۳۲، ص ۳۵، ۵۱، ۹۳، ج ۲، ص ۵، ۹۸، ۱۲۵، ۱۲۶، ج ۳، ص ۵۷، ۹۷ وغیرہ۔

[۴] ج ۲، ص ۳۱، ۱۱۸۔ دروس التاریخ از شیخ محی الدین الخیاط الجزء والثالث مطبوعہ بیروت ۱۹۳۱ء ۱۳۹۰ھ ص ۲۲، ۲۹

نوٹ: تاریخ کی یہ کتاب مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے ایضاً ۳۵، ۱۳۷ البدایہ والنہایہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور بے بنیاد ہے۔

مولوی صاحب کبھی جواب میں ان مسائل کو بھی شامل کر لیتے ہیں جو مستفتی اپنے استفتاء میں شامل نہیں کرتا لیکن مفتی صاحب اپنی رائے لکھ دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر سائل نے صرف عرس کے بارے میں سوال کیا جواب میں عرس کے ساتھ مولود شریف کو بھی ناجائز لکھ دیا۔[1]

بہت سے مسائل میں وہ اپنی رائے لکھ دیتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ مطمئن خود بھی نہیں ہیں جیسے ارواح مؤمنین کا نہ آنا[2]، استمداد باولیاء اللہ کا مسئلہ[3]، بنک کے سود کا حکم[4]، نوٹ کی خرید وفروخت برابر قیمت پر درست نہ ہونا[5]، منی آرڈر کا عدم جواز ہونا[6]، منی آرڈر کا سود میں داخل ہونا[7]، بنک میں روپیہ رکھنے کا جائز نہ ہونا[8]، نوٹوں میں زکاۃ کا حکم[9]۔

مجلس مولود شریف کو انہوں نے ممنوع، بدعت اور ناجائز لکھا ہے جس کی مثالیں فتاویٰ رشیدیہ میں جابجا ہیں اس کے ساتھ ہی اس مجلس کے افضل اور مستحب ہونے کا بھی فتویٰ دیا ہے[10]،

(بقیہ حاشیہ) ج ۸، ص ۲۳۰، ۲۳۶، مکمل تاریخ اسلام از مفتی شوکت علی فہمی، ص ۲۸۲، ۲۸۳، مختصر تاریخ اسلام از بشیر احمد طاہر و محمد جلال الدین سعید ص ۴۵ وغیرہ و مسرحیات عزیز اباظہ مسرح قیس ولبنی از مسرح الشعر و عزام یزید از محمود غنیم ص ۱۲۶ المسرحیۃ نشأتھا وتاریخھا واصولھا از استاذ عمر الدسوقی مطبوعہ قاہرہ و مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸۱۔

1. فتاویٰ رشیدیہ، ج ۳، ص ۱۴۴۔
2. ایضاً، ج ۱، ص ۹۰۔
3. ایضاً، ج ۱، ص ۹۳، ۱۳۰، ج ۲، ص ۶۔ ۸، ج ۳، ۶، ۱۳، ۱۹، ۱۴۴۔
4. ایضاً، ج ۲، ص ۱۵۹۔
5. ایضاً، ج ۱، ص ۷۵، ۲۴۔
6. ایضاً، ج ۲، ص ۱۵، ۱۵۷۔
7. ایضاً، ج ۲، ۱۵۶۔
8. ایضاً، ج ۲، ۱۵۷۔
9. ج ۲، ص ۱۵۴۔
10. خیر البیان از زید ابوالحسن فاروقی ص ۲۷۔

انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی قبلہ و کعبہ کے لقب کو استعمال کرنے کو ممنوع لکھا ہے[1]، مولوی اشرف علی تھانوی نے خود ان کو ان القاب سے یاد کیا ہے تو اس میں کوئی نکیر نہیں کی[2]۔ مسائل میں اس طرح کی بہت سی فروگزاشتیں فتاوی رشیدیہ اور تذکرۃ الرشید، ج ا، میں موجود ہیں جن کا استیعاب اس مقالہ کے لئے ضروری نہیں ہے۔

فتاوی رشیدیہ میں ایسے کئی فتاوی موجود ہیں جن میں مستفتی نے کچھ مباح اور جائز امور کو ناجائز امور کے ساتھ شامل کر کے مولوی گنگوہی کے سامنے استفتاء پیش کیا اس پر مولوی صاحب نے مستفتی کو تنبیہ نہیں فرمائی اور جواب اس طرح عنایت کیا جس سے مستفتی کی رائے سے اتفاق ظاہر ہوتا ہے حالانکہ دیانت فقہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ مباح اور ناجائز امور کی جدا جدا نشاندہی کر کے فتوی جاری کیا جاتا، مثال کے طور پر،

سوال جو شخص مجالس غیر مشروعہ میں شریک ہووے اور مال خرچ کرے اور اس کو مستحسن اور حلال جانے کہ جن کی حرمت نص صریحہ سے ثابت ہے مثلاً ناچ و مزامیر و مجالس و عرس اور روشنی وغیرہ منکرات کثیرہ تو ایسا شخص فاسق ہوگا یا کافر کیونکہ افعال ممنوعہ حرام کو حلال جانتا ہے۔

الجواب ایسا شخص فاسق ہے کافر کہنے سے زبان بند رکھنا چاہئے اور فعل مسلم کی تاویل کر کے اسلام سے خارج نہ کرے جہاں تک ہو سکے لاتکفر احدا من اہل القبلۃ آئمہ مجتہدین فرما گئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[3]

مستفتی نے ناچ و مزامیر کے ساتھ عرس اور روشنی وغیرہ کو منکرات اور غیر مشروعہ نص صریح میں شامل کر دیا ہے اور مجیب نے اس پر کوئی تنبیہ نہیں فرمائی گویا اتفاق کیا ہے اور ایک عالم سے ایسے فعل پر اتفاق کا ہونا عجیب امر ہے چونکہ مفتی کی نظر استفتاء کے ہر ہر لفظ پر ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔

---

[1] ج ۲، ص ۷۹۔

[2] تذکرۃ الرشید، ج ا، ص ۱۱۶۔

[3] فتاوی رشیدیہ، ج ا، ص ۴۷۔

مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی خصوصیات:

فتاویٰ رضویہ کی سب خصوصیات کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے چند اہم خصوصیات اس طرح پر ہیں۔

۱) مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے جواب میں سب سے پہلے کتاب وسنت سے استدلال کرتے ہیں پھر متعدد کتب فقہ کا ذکر کرتے ہوئے فقہاء کرام کے اقوال وآراء کا ذکر کرتے ہیں۔

۲) آپ کے فتاویٰ میں فقہی مسائل پر خوب تحقیق ملتی ہے دلائل اور استشہادات بکثرت ہوتے ہیں بعض بعض فتاویٰ میں مصادر کی تعداد دوسو سے بھی متجاوز ہو جاتی ہے۔

۳) آپ فتاویٰ میں سائل کے سوال کے ہر پہلو کی تنقیح کرتے ہیں اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کرام اور علماء عظام کے اقوال میں تعارض ہو جاتا ہے تو قول راجح کو بھی ذکر کرتے ہیں مختلف آراء میں تطبیق کا ملکہ مولانا بریلوی میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

۴) مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ بہت وسیع ہے قرآنی تراجم وتفاسیر، کتب احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ کی کتابوں کا بھرپور علم ہے ان کے فتاویٰ میں جن حوالہ جات کا ذکر ہوتا ہے آج کے علماء میں سے بہت کم ان کے جاننے والے ہوں گے۔

۵) فقہی کلیات اور جزئیات ان کو مستحضر ہیں اگر یہ استحضار نہ ہوتا تو اتنی مختصر عمر میں، اتنی بڑی تعداد میں فقہی رسائل وتصنیفات وجود میں نہیں آتے جن مسائل کو آپ نے تین چار روز کی مدت میں لکھ دیا ہے علماء کو ایسے رسائل میں ایک سال بھی ناکافی ہوگا سرعت تحریر میں زمانہ ایسی مثال لانے سے عاجز ہے یونیورسٹیاں جن مقالوں کے لئے کئی سال کی مہلت دیتی ہیں وہ ان رسائل سے زیادہ معیاری نہیں ہوتے۔

۶) مولانا بریلوی کا طرز استدلال اور طریقہ استنباط نرالا ہے وہ مسئلہ کی حقیقت کو جدید وقدیم علوم کی روشنی میں حل کرتے ہیں شرعی حکم کے معلوم کرنے میں اشیاء کی حقیقت اور ماہیت پر بھی سیر حاصل بحث کرتے ہیں ان کے فتاویٰ میں نقلی اور اصلی دلائل کی کمی نہیں رہتی ان کے فتاویٰ سے ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کے ساتھ دیگر مذاہب کے قوانین اور جزئیات کا بھی علم رکھتے ہیں۔

۷) آپ فقہاء متقدمین کا احترام اور ان کی تقلید کرتے ہیں، فقہ حنفی کو وہ مکمل اور قابل پیروی مانتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں فتاویٰ میں تحقیق کے دوران متقدمین علماء کی اگر کوئی فروگزاشت ظاہر ہوتی ہے تو اس کو بھی وہ ذکر کر کے اپنی فیصل رائے ضرور دیتے ہیں یہ ملکہ ہم عصر علماء میں صرف انہی کو حاصل ہے۔

۸) مولانا بریلوی نے اپنی تالیف اور تصانیف میں جس تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے وہ ان کا امتیازی وصف ہے ان کی ناقد نظر اور تحقیق پسند طبیعت نے جو تحقیق کا طرز اپنایا ہے اس کے سامنے آج کے محقق اور ریسرچ اسکالر بھی شرمندہ ہو جاتے ہیں۔

۹) ان کے فقہی فتاویٰ علماء اسلام اور علماء دیگر ادیان کے لئے مشعل راہ ہیں دیگر مذاہب کا قانون بھی انہیں یاد تھا یہ ایک عظیم خدمت ہے جو فاضل بریلوی نے اس تہذیب یافتہ دور میں سانس لینے والوں کے لئے انجام دی انہوں نے موجودہ دور میں پیش آنے والے مسائل کو علماء متقدمین کے فتاویٰ کی روشنی میں حل کرنے میں بڑی کاوش سے کام لیا ہے یہ اس ملت پر ان کا احسان عظیم ہے ایسا لگتا تھا کہ موجودترقی کے سامنے دامن اسلام تنگ ہو جائے گا لیکن انہوں نے اپنے فتاویٰ تالیفات اور تصنیفات سے آیہ کریمہ ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾ الخ کی حقانیت ثابت کر دی ان تحقیقات کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو بہت سی مشکلات سے نجات مل گئی اور فقہی روشنی حاصل ہوئی۔

۱۰) فقہ حنفی کے ماننے والے علماء تو ساری دنیا میں ہیں لیکن جو خدمت اس فقہ حنفی کی مولانا بریلوی نے فرمائی ہے شاید انیسویں بیسویں صدی میں کسی نے انجام نہ دی آپ کے فتاویٰ اور فقہی تالیفات مسلک احناف کے علماء کیلئے خصوصاً اور دیگر مسالک کے علماء کے لئے عموماً رہنما کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱۱) مولانا بریلوی کے فتاویٰ، تصنیف و تالیفات جو کم و بیش پچپن علوم پر مشتمل ہیں آج کے منتہی طلباء و فضلاء کے لئے مشعل راہ ہیں بڑے اعتماد اور وثوق کے ساتھ اپنی رائے دیتے ہوئے دوسرے اقوال کا رد بھی ذکر کر دیتے ہیں[۱]۔

---

[۱] مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسائل پر تصنیفات کی تعداد تقریباً دو سو تک ہے۔

۱۲) ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنے مستفتی کی قدر دانی کرتے ہوئے اس کے جذبہ صادق کا پتہ لگا لیتے ہیں پھر پوری توجہ سے اس کو تسلی بخش جواب عنایت کرتے ہیں استفتاء کی ہر شق پر ان کی نظر ہوتی ہے اور وہ مستفتی کے جذبہ استفسار کو نظر انداز نہیں کرتے۔

۱۳) اپنی تالیف اور تصنیفات فقہیہ سے انہوں نے عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سکہ دلوں پر بٹھا دیا اور بے ادب و گستاخ لوگوں کا دندان شکن جواب دیا۔

۱۴) کسی بھی مسئلہ میں وہ لاعلمی اور عاجزی کا اظہار نہیں کرتے ان کے فتاویٰ میں تاریخی حقائق کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔

۱۵) عشق رسول اور محبت رسول اللہ ﷺ پر ان کا ایمان ہے اہل بیت سے ان کو سچی عقیدت ہے اور خدمت دین متین ان کا جذبہ صادق ہے اسی پر وہ تمام عمر کاربند رہے بدعات و منکرات کو انہوں نے سخت ترین الفاظ میں رد کیا، ان کا قلم اس امر میں بہت سخت گیر ہے ان کا طرۂ امتیاز اتباع سنت سنیہ ہے۔

۱۶) ان کے فتاویٰ عربی، فارسی اور اردو نثر و نظم میں پائے جاتے ہیں علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ اصناف سخن ادب پر بھی ان کو کامل عبور ہے ان کی تحریرات فن ادب کا ایسا شاہکار ہیں جن کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ادبی کلاسوں کے نصاب میں شامل کیا جانا چاہئے ایسا لگتا ہی نہیں کہ یہ عربی اور فارسی کی تحریرات کسی غیر اہل زبان کا نتیجہ فکر ہے آپ کے بعض فتاویٰ انگریزی زبان میں بھی ہیں۔[1]

فتاویٰ رضویہ کی جامعیت

فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی حیرت انگیز قوت مطالعہ، قوت حافظہ، قوت استدلال، استنباط مسائل میں ندرت، فن استخراج اور قوت بیان کا اندازہ ہوتا ہے، بہت سے فتاویٰ میں زیر بحث مسائل کی تحقیق کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون پر بھی معیاری تحقیق ملتی ہے مثلاً حوض کی مقدار دہ در دہ اور ذراع سے متعلق یہ فتویٰ النهي النمير في الماء المستدير[2] / رحب السباحة

---

[1] حیات مولانا احمد رضا خاں از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔

[2] فتاویٰ رضویہ، ج ا، ص ۳۲۱ تا ۳۳۰۔

فی میاہ لایستوی رجھہا وجوفہا فی المساحۃ[1]

یہ دونوں مسائل علم ریاضی کا بہترین شاہکار ہیں، اسی طرح ایک اور رسالہ میں ترکیب اجسام، پانی کے رنگ اور شعاعوں کے انعکاس وانعطاف وغیرہ کی بحثیں جو علم طبیعات سے متعلق ہیں اس رسالہ میں بدرجہ کمال ملتی ہیں۔

الدقۃ والبیان لعلم الرقۃ والسیلان[2]

المطر السعید علی بنت جنس الصعید[3]

جنس ارض کی تحدید وتعدید اور جنس ارض کے آثار سے متعلق یہ فتویٰ ریاضیات سے متعلق ایک فنی شاہکار ہے۔

فاضل بریلوی کو فقہی کلیات اور فقہی جزئیات پر بے پناہ ملکہ اور غیر معمولی مہارت حاصل تھی فقہ حنفی پر ان کی تحقیق حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے جزئیات فقہ پر عبور کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مثلاً وہ پانی جس سے وضو جائز ہے اس کی ایک سو ساٹھ قسمیں مولانا بریلوی نے بیان فرمائی ہیں[4]، اور وہ پانی جس سے وضو جائز نہیں ہے اس کی ایک سو چھیالیس قسمیں ہیں[5]، اسی طرح پانی کے استعمال سے عجز کی ایک سو پچھتر ۱۷۵ صورتیں بیان کی ہیں اور اس موضوع پر صمح النداء فیما یورث العجز عن الماء نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا[6]۔

النور والنورق لاسفار ماء مطلق[7] رسالہ ماء مطلق ومقید کی تعریف وتفصیل میں ہے۔

---

[1] ایضاً، ج ۱، ص ۳۳۲ سے

[2] فتاویٰ رضویہ، ج ۱، ص ۴۸۲ سے ۴۹۹۔

[3] ایضاً ص ۶۶۸ تا ۶۹۷۔

[4] فتاویٰ رضویہ، ج ۱، ص ۳۵۶۔

[5] ایضاً، ۳۵۰، ۴۷۲، ۵۲۳۔

[6] ایضاً ص ۶۱۱ تا ۶۵۹۔

[7] ایضاً، ۴۰۷ سے ۵۵۳۔

اگر پانی دستیاب نہ ہو تو طہارت کے لئے شریعت نے تیمم کو وضو اور غسل کے قائم مقام کیا ہے تیمم کس طرح اور کس چیز سے جائز ہے اس کی ایک سو اکیاسی قسمیں بیان کی ہیں ۷۴ منصوصات اور ایک سو سات مزیدات مصنف اور وہ اشیاء جن سے تیمم جائز نہیں ہے اس کی ایک سو تیں (۱۳۰) قسمیں بیان کیں ۵۸ منصوصات اور ۷۲ زیادات۔[1]

صرف انہی مثالوں پر بس نہیں ہے بلکہ مولانا بریلوی کی ہر تصنیف و تحقیق موجود تحقیقی اصولوں کے اعتبار سے بھی نہایت مکمل و محقق ہیں، ان فتاوی کے مطالعہ سے قرآن پاک کا یہ فرمان سچ معلوم ہوتا ہے ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾

جب ایک امتی پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بے شمار علوم وفنون کے خزانے کھول دیئے جن سے معاصرین کی عقل حیران ہے تو صاحب قرآن کے علوم وفنون کی معلومات کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اگر اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تو پھر آپ ﷺ کے علوم معلومہ کی تحدید و تعین کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

فتاوی رضویہ میں لاکھوں جزئیات قدیمہ، جدیدہ کے منقح مسائل کا صاف صاف حکم ہے علماء کے لئے ہزار ہا پیچیدہ مسائل کی اعلیٰ تحقیق و تطبیق ہے محدث، مفسر، فقیہ اور صوفی جدید و قدیم علوم دینیہ اور دنیاویہ کے فضلاء کے مذاق کے متعلق مسائل کی تحقیق ہے ہر مسئلہ میں اصول تفسیر، اصول فقہ و اصول حدیث کی روشنی میں قرآن کریم، حدیث سے مستدلات کی کثرت ہے یہی نہیں بلکہ فن ہیئت، ریاضی، ہندسہ، توقیت و فرائض سے متعلق مسائل کی فاضلانہ تحقیق ہے مسلک اہل سنت کے اثبات و حقانیت پر مسکت و ندان شکن دلائل بکثرت ہیں دور جدید کے نئے نئے مسائل کی تحقیق و تشریح اور ان کا شرعی حل ہے بدعات و منکرات کا کر توڑ رد ہے یہ تمام وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے فتاوی رضویہ کی اولویت و فضیلت کا ہر عالم قائل ہے۔

مولانا بریلوی نے سن ۱۳۲۵ھ میں فتاوی رضویہ کے چند عربی فتاوی نمونۃً محافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل کو بھیجے تھے تو انہوں نے مطالعہ کر کے بے ساختہ فرمایا،

"والله اقول والحق انه لو رآها ابو حنيفة النعمان لأقرت عينه ويجعل مؤلفها من

---

[1] فتاوی رضویہ، جلد اول، ص ۶۶۸، ۶۷۱۔

جملة الأصحاب"[1]

ترجمہ: میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ابوحنیفہ نعمان ان کو دیکھتے تو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل کر لیتے۔

مولانا بریلوی کا دیگر مذاہب پر ادراک:

فقہ حنفی کے علاوہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر مذاہب عالم پر بھی بہت وسیع و عمیق تھی فتاوی رشیدیہ میں اس طرح کی نظیر نہیں ملتی فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مستفتی نے سوال کیا کہ، ''عیسائی کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی شیرنی قابل استعمال ہے یا نہیں'' الخ تو آپ نے مندرجہ ذیل جواب عنایت فرمایا۔

الجواب نصاریٰ کے مذہب میں خون حیض کے سوا شراب پیشاب پاخانہ غرض کوئی بلا اصلاً ناپاک نہیں وہ ان چیزوں سے نہ بچنے پر جتنے اور اپنی ساختہ تہذیب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ تو ان کا ظاہر حال نجاسات سے متلوث ہی رہتا ہے امام ابن الحاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں،

"يتعين على من له امر ان يقيم من الاسواق من يشتغل بهذا السبب (يريد بيع الاشربة الدوائية كشراب العناب وشراب النبفسج وغير ذلك) من اهل الكتاب لأن النصارى عند هم ابوالهم طاهرة ولا يتدينون تبرك نجاسة الا دم الحيض فقط فالشراب الماخوذ من النصارى الغالب عليه انه متنجس"

استفسارات اور نصاریٰ کے سترہویں استفسار میں ہے مسلمان لوگ بول و براز اور خون سے آلودہ رہنے کو عقلاً بھی نامستحسن جانتے ہیں اور عیسائی لوگ اس بات پر انہیں ہنسا کرتے ہیں تو ان کی چھوئی ہوئی تر چیزوں کا استعمال شرعاً مطلقاً مکروہ ناپسند جیسے بھیگے ہوئے پان اگرچہ مسلمان ہی کے پانی سے بھیگے ہوئے كما حققنا ذلك في كتابنا الاحلى من السكر لطلبة سكر روس الى آخره[2]

---

[1] الاجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة از مولانا احمد رضا خان۔

[2] فتاوی رضویہ، ج ۲، ص ۳۳، ۱۲۶۔

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی تبحر اور فتاویٰ کی جامعیت کے لئے اتنا ثبوت بھی کافی ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ میں آپ کے فتاویٰ بعینہٖ کئی مسلوں میں ملتے ہیں بعض مواقع پر تو صاحب فتاویٰ رشیدیہ نے فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی تصدیق فرمادی ہے بعض جگہ پر اختلاف کیا ہے اور بعض جگہ مرتب نے بطور استشہاد پیش کیا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ، ج ا ص ۱۵۰ پر فاضل بریلوی کا فتویٰ اس طرح نقل ہے:

''فتویٰ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی موصولہ از مولوی عبدالصمد رام پوری مجموعہ فتاویٰ قلمی مولوی احمد رضا خاں صاحب منقولہ از جلد رابع کتاب الحظر والاباحۃ ص ۳۱۰''

سوال تین برس کے بچے کی فاتحہ دوجے کی ہونا چاہئے یا سوم کی ہونا چاہئے بینوا وتوجروا۔

الجواب شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی یہ تعین عرفی ہیں جب چاہیں کریں انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت و بدعت ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ النبی الامی ﷺ

اس فتویٰ کے حاشیہ پر جامع فتاویٰ رشیدیہ نے یہ عبارت تحریر کی ہے۔

یہ فتویٰ برائے اطلاع مجوزین بدعات تحریر کیا جاتا ہے کیونکہ لوگ جو ان میں سے بڑے شمار کئے جاتے ہیں وہ ہمارے علماء مانعین کی موافقت کرتے ہیں لہٰذا عاملین بدعات کو چاہئے کہ توجہ کریں اور اس سے باز آئیں۔

اس عبارت میں ہمارے علماء مانعین کی موافقت کرتے ہیں جملہ قابل توجہ ہے جامع فتاویٰ رشیدیہ نے اپنے علماء کے ایک فتویٰ کی تائید میں اس کو نقل کیا ہے جس کا جواب اس طرح شروع ہے

جواب صورت مسئولہ کا یہ ہے کہ مجتمع ہونا عزیز و اقارب وغیرہم کا واسطے پڑھنے قرآن مجید یا کلمہ طیبہ کے جمع ہوکر روز وفات میت کے یا دوسرے روز یا تیسرے روز بدعت و مکروہ ہے الخ۔

اس فتویٰ میں مطلق قرآن مجید کی تلاوت کو اور کلمہ طیبہ کو پڑھنا ان دنوں میں منع قرار دیا گیا ہے اور فاضل بریلوی نے انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت و بدعت قرار دیا ہے نہ کہ مطلق ایصال

ثواب کو، اس بناء پر یہ استشہاد ہی غلط اور گمراہ کن ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تفصیلی فتویٰ لہو ولعب کے تاشے باجے، ڈھول آتش بازی طلائی نقری سہرا، رنڈی کا ناچ وغیرہ کے بارے میں موجود ہے جس پر متعدد علماء اعلام کی تصدیقات ہیں ان میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی کی بھی تصدیق ہے مولوی رشید احمد گنگوہی نے ان تمام تصدیقات کے بعد بغیر کسی تفصیل کے اس فتویٰ کی تصدیق فرمادی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مولانا سے کلی طور پر متفق ہیں۔[1]

اسی طرح مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مدلل فتویٰ فتاویٰ رشیدیہ میں موجود ہے جس کا آغاز اس طرح ہے۔

الجواب جو اپنی ضرورت شرعیہ کے لائق مال رکھتا ہو یا اس کے کسب پر قادر ہے اس سے سوال حرام ہے الخ اس فتویٰ پر بھی مولوی گنگوہی کی تصدیق بغیر کسی تفصیل کے موجود ہے۔[2]

مولانا بریلوی کا ایک فتویٰ دربارہ فاتحہ سوم و چہلم ہے جس پر مرتب فتاویٰ رشیدیہ نے غلط استشہاد کیا ہے۔[3]

فتاویٰ رشیدیہ میں مولانا احمد رضا خاں کا ایک فتویٰ دربارہ عدم جواز مولود شریف منعقدہ فاسق وفاجر موجود ہے اس فتویٰ میں مولانا بریلوی کے رد بدعات ومنکرات میں شدت اور سخت گیری کا پتہ لگتا ہے۔[4]

ان تمام فتاویٰ سے اتنی بات تو ظاہر ہے کہ صاحب فتاویٰ رشیدیہ بھی مولانا بریلوی کے علمی تعمق اور فقہی تبحر کے قائل تھے اسی لئے مرتب فتاویٰ نے ان کو شامل کیا ہے۔

نوٹ: اس قسم کی مثالیں فتاویٰ رضویہ میں کہیں نہیں ملتیں البتہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی مولوی رشید

1. فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۴۸۔
2. فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۴۴، ۴۵۔
3. فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۱۵۰۔
4. فتاویٰ رشیدیہ، ج ۲، ص ۸۸، ۹۰۔

احمد گنگوہی کے بعض فتاویٰ پر بھرپور تعاقب کی مثالیں نظر آتی ہیں مثلاً نوٹ اور منی آرڈر کے مسئلے پر انہوں نے مجتہدانہ اور فقیہانہ شان سے تعاقب کا حق ادا کیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ۱۱/۷)

''فتویٰ در باب عدم جواز مجلس مولود مروجہ از مجموعہ فتاویٰ قلمی مولوی احمد رضا خاں صاحب منقولہ از باب الحظر ص۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳ موصولہ از مولوی عبدالصمد صاحب رام پوری استفتاء اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد خیر العباد علیہ الوف تحیۃ الی یوم التناد میں جو شخص کے مخالف شرع مطہرہ تارک صلاۃ شارب خمر ہو داڑھی کتراتا ہو یا منڈواتا ہو مونچھیں بڑھاتا ہو بے وضو بے ادبی گستاخی سے بروایات موضوعہ بخنسا یا دو چار آدمیوں کے ساتھ بیٹھ کر مولود پڑھتا ہو یا پڑھاتا ہو اور کوئی مسئلہ بتائے تنبیہ کرے تو استہزاء ومزاح کرے بلکہ اپنے مقتدیوں کو حکم کرے کہ داڑھی منڈوانے والے دکھانے والوں سے بہتر ہیں کیونکہ جیسے ان کے رخسار صاف ہوتے ہیں ایسے ہی ان کے دل مثل آئینہ کے صاف شفاف ہیں ایسے شخص سے مولود شریف پڑھوانا یا اس کو پڑھنا یا منبر ومسند پر تعظیماً بیٹھنا بٹھانا یا مجلس وحاضرین وسامعین کا ایسے اشخاص کو بوجہ خوش آوازی کے چوکی پر مولود پڑھنے بٹھانا جائز ہے یا نہیں اور ایسے آدمی سے رب العزت جل مجدہ اور روح حضور فخر عالم ﷺ کی خوش ہوتی ہے یا ناخوش اور پروردگار عالم ایسی مجالس سے خوش ہو کر رحمت نازل فرماتا ہے یا غضب اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان محافل میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں بانیین اور حاضرین محافل کے مستحق رحمت ہیں یا غضب، بینوا من الکتاب توجروا عند الارباب۔

الجواب

افعال مذکورہ سخت کبائر ہیں اور ان کا مرتکب اشد فاسق وفاجر مستحق عذاب نہیں غضب رحمان اور دنیا میں مستوجب ہزاراں ذلت ہوا خوش آوازی خواہ کسی علت نفسانی کے باعث اسے مجرد مسند پر کہ بحقیقت مسند حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے تعظیماً بٹھانا اس سے مجلس مبارک پڑھوانا حرام ہے تبیین الحقائق وفتح اللہ المعین وطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہ میں ہے فی تقدیم الفاسق تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً روایاً موضوعہ پڑھنا بھی حرام

سننا بھی حرام ایسی مجالس سے اللہ عزوجل اور حضور پرنور سید عالم ﷺ کمال ناراض ہیں اور ایسی مجالس اور ان کا پڑھنے والا اور اس حال سے آگاہی پاکر بھی حاضر ہونے والے مستحق عذاب الٰہی ہیں یہ جتنے حاضرین ہیں سب وبال میں جدا جدا گرفتار ہیں اور ان سب کے وبال کے برابر اس پڑھنے والے پر وبال ہے اور خود اس کا گناہ اس پر اور علاوہ اور ان حاضرین وقارئین سب کے برابر گناہ ایسی مجلس کے بانی پر ہے اور اپنا گناہ خود اس پر طرہ۔

مثلاً ہزار شخص حاضرین مذکور ہوں تو ان پر ہزار گناہ اور اس کو اب قاری پر ایک ہزار ایک گناہ اور بانی پر دو ہزار دو، ایک ہزار حاضرین کے اور ایک ہزار ایک اس قاری کے اور ایک خود اپنا پھر یہ شمار ایک ہی بار نہ ہوگا بلکہ جس قدر روایات موضوعہ جسقدر کلمات مشروعہ وہ قاری جاہل جری پڑھے گا ہر روایت ہر کلمہ پر یہ حساب وبال عذاب تازہ ہوگا مثلاً فرض کیجئے کہ ایسے سو کلمات مردودہ اس مجلس میں اس نے پڑھے تو ان حاضرین میں ہر ایک پر سو سو گناہ اور اس قاری علم ودین سے عاری پر ایک لاکھ ایک سو گناہ اور بانی پر دو لاکھ دو سو گناہ وقس علیٰ ہذا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

من دعا الی هدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ینقص ذلك من اجورهم شيئا ومن دعى الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من تبعه لا ينقص ذلك من آثامهم شيئا رواه الأئمه احمد ومسلم والاربعة عن ابی هريرة۔

رسول اللہ ﷺ پاک ومنزہ ہیں اس سے کہ ایسی ناپاک جگہ تشریف فرما ہوں البتہ وہاں ابلیس، شیاطین کا ہجوم ہوگا، والعیاذ باللہ رب العالمین، ذکر شریف حضور پرنور سید عالم ﷺ باوضو ہونا مستحب ہے اور بے وضو بھی جائز، اگر نیت معاذ اللہ استخفاف کی نہ ہو حدیث صحیح میں ہے

كان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یذکر اللہ تعالیٰ علی کل احیانه رواه الأئمة احمد ومسلم والاربعة الانسائی عن ام المؤمنين الصديقه رضی اللہ تعالیٰ عنها رواه البخاری تعليقا،

اور اگر العیاذ باللہ استخفاف وتحقیر کی نیت ہو تو صریح کفر ہے پھر مسائل شرعیہ کے ساتھ

استہزاء صراحۃً کفر ہے قال اللہ تعالیٰ ﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ یوں ہی وہ کلمہ ملعون کہ داڑھی منڈانے والے رکھانے والوں سے بہتر ہیں الخ صاف سنت متواترہ کی توہین اور کلمہ کفر ہے۔

والعیاذ باللہ رب العالمین واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ عبدالمذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ النبی الامی ﷺ

فاضل بریلوی کبائر کے مرتکب فاسق کے لئے کس قدر متشدد ہیں اس فتویٰ میں اس کی اچھی مثال موجود ہے لہذا جو لوگ ترکِ سنت اور ارتکاب کبائر کے مرتکب ہوں ان کو بھی توبہ کرنی چاہیے۔

